ماہنامہ
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
مسلمان بچے ®
لاہور پاکستان
187
www.musalmanbachay.com
رمضان ۱۴۴۴/اپریل 2023



پھولوں جیسے روزے

رمضان کریم
۱۴۴۴ ہجری

بوجھ بجھکڑ
کے قہقہے بکھیرتے جوابات
سلطان ٹیپو شہید، اور دیگر مستقل سلسلوں
سے مزین رنگا رنگ شمارہ

تلواروں کے سائے

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مُسلمان بچے

لاہور

پاکستان

بچوں کے

اسلامی، اخلاقی، تعلیمی

تربیتی ادب کا ترجمان

شمارہ: ۹ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ بمطابق اپریل 2023ء جلد: ۱۰

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے

مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

قیمت فی شمارہ: 60 روپے

سالانہ زرتعاون =/720 روپے

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابن مبارک

37۔حق سٹریٹ

اردو بازار۔لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں



اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

''اور جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے جنگل میں چمکتی ہوئی ریت ہو جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پاتا ہے پھر اللہ نے اس کا حساب پورا کر دیا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (النور)

حمد باری تعالیٰ

نظر خواب میں جب پڑی ہے حرم پر، پکارا مرے دل نے اللہ اکبر
مجھے لے کے آیا جو میرا مقدر، پکارا مرے دل نے اللہ اکبر
جو کعبے کو دیکھا تو دیکھا یہ منظر، نظر سب کی ہے آج بابِ کرم پر
بڑا جاں فزا ہے یہ کعبے کا منظر، پکارا مرے دل نے اللہ اکبر
یقیں ہے یہ مجھ کو دعا جتنی مانگوں، وہ منظور ہوں گی جو دل سے پکاروں
ہے میزاب رحمت مرے آج سر پر، پکارا مرے دل نے اللہ اکبر
مَیں حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر خدایا، یہ تیرا کرم ہے جو مجھ کو بلایا
یہی ایک نعرہ ہے سب کی زباں پر، پکارا مرے دل نے اللہ اکبر
مری چشم پرنم نے دی جب گواہی، تو کعبے کے اندر سے آواز آئی
چلے آؤ یہ گھر ہے رحمان کا گھر، پکارا مرے دل نے اللہ اکبر

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک بڑے پیالہ سے صبح سے رات تک کھانا کھاتے، 10 افراد کھانا کھا کر فارغ ہوتے پھر اور 10 افراد کھانے کے لئے بیٹھ جاتے۔ ہم سے پوچھا گیا کھانے میں اس قدر اضافہ کس طرح ہوتا تھا؟ تو ہم نے جواب دیا تم کس بات پر تعجب کر رہے ہو؟ اس میں اضافہ آسمان والے کی جانب سے ہوتا تھا۔ (ترمذی)

نعت رسول مقبول ﷺ

سب سے اعلیٰ سب سے پیاری زندگی
سرورِ عالم کی ساری زندگی
عشقِ احمد ہے حقیقی زندگی
ہے فریبِ چشم باقی زندگی
ان کی صورت نے سنوارے صبح و شام
ان کی سیرت نے سنواری زندگی
شہرِ طیبہ کے در و دیوار پر
زندگی ہے صرف طاری زندگی
گنبدِ خضریٰ کے سائے میں سکون
چاہتی ہے غم کی ماری زندگی
پوچھتے ہو زندگی کیا چیز ہے
حبِ احمد ہے ہماری زندگی
نامِ احمد کو بنایا حرزِ جاں
ہم نے مظہرؔ یوں گزاری زندگی



ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْيَ

ترجمہ:

”اے اللہ! میں تیرے ہی نام سے سوتا ہوں
اور (تیرے ہی نام سے) جی اٹھتا ہوں۔“

ایک حدیث یاد کیجئے

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

”إِذَا كَانَ رَمَضَانُ ، فُتِحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ
وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ“ (النسائی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان ہوتا ہے تو رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں باندھے جاتے ہیں۔

ماہِ رمضان کی آمد

سلامتی کا محل مہینہ ہے آرہا احترام کرلو!
ہے سب کے ہاں جو عزیز از جاں وہ آرہا احترام کرلو!

خدا امر کر رہا ہے تم بھی نماز میں اب قیام کرلو!
سحر کا ہے وقت آگیا اب خدا سے اپنے کلام کرلو!

ہے رحمتوں برکتوں کا جو مظہر وہ آگیا اب صیام کرلو!
یہ کھانا پینا فخر سے جینا صدر کا کینہ حرام کرلو!

فراڈ بازی کو چھوڑ کر تم اچھائیوں کو سلام کرلو!
جہاں کی ساری برائیوں سے نصوح توبہ انام کرلو!

جو کر رہے تھے گناہگاری برائیاں اور جھوٹے وعدے
تو ان سے اب تم اے دین کے راہیو! آرام کرلو!

اللہ کی بارگاہ میں دعاء کرنے والو!
اگر ہو جائے تو اس فقیرِ شکستہ دل کو اَمام کرلو!

(محمد شعیب، کھروڑپکا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

اللہ تعالیٰ بہت قبولیت اور رحمت والا رمضان المبارک ہم سب کو نصیب فرمائیں، آمین۔
رمضان المبارک کو قیمتی بنانے کے لئے کتاب ''شہر رمضان'' (حضرت مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ) نسخہ اکثیر ہے۔
ذیل میں اس کتاب سے کچھ نصیحت بھری باتیں لکھی جارہی ہیں رمضان المبارک سے پہلے یا آغاز میں ہی اس کتاب کا مکمل مطالعہ کرلیں۔
انشاءاللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی برکات نصیب ہونگی۔

کچھ کام بڑھادیں!!

رمضان المبارک میں عام دنوں سے زیادہ، عبادات میں محنت کرنی چاہئے اور محنت وہ ہوتی ہے جو انسان کو تھکاتی ہے۔ رمضان المبارک کے پہلے لمحے سے لے کر آخری دن سورج غروب ہونے تک محنت کا یہ سلسلہ جاری رہے چنانچہ فوری طور پر یہ کام بڑھادینے چاہئیں......

(۱) نماز: یعنی فرائض وواجبات کا خوب اہتمام اور نوافل کی کثرت...... رمضان المبارک میں ''تراویح'' بہت بڑی نعمت ہے...... کوئی مسلمان اس نعمت سے محروم نہ ہو...... اور تہجد کا بھرپور اہتمام کیا جائے......

(۲) تلاوت: کم از کم تین پارے اور زیادہ جس قدر ممکن ہو......

(۳) صدقات: یعنی خوب سخاوت کی جائے...... خوب مال خرچ کیا جائے...... ان مسلمانوں تک افطار اور کھانا پہنچایا جائے جو دشمنان اسلام سے ٹکر لے رہے ہیں...... یا اپنے گھروں سے محروم ہجرت پر مجبور ہیں......

(۴) جہاد: رمضان المبارک جہاد کا مہینہ ہے......غزوہ بدر اسی مہینے میں پیش آیا......اس لیے غزوہ بدر کی ہر یاد تازہ کرنی چاہئے، جان کی قربانی، مال کی قربانی...... جہاد کی دعوت......مجاہدین کے لئے ضروریات کی فراہمی یا جس کام پر تشکیل ہوجائے۔

(۵) آخرت کی فکر: ہم نے اس دنیا میں نہیں رہنا اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، یہ فکر اور عقیدہ انسان کی اصلاح کے لئے لازمی ہے، اس کا زیادہ سے زیادہ محاسبہ اور مذاکرہ کیا جائے تب فضول کوٹھیاں بنانے، مال جمع کرنے اور اس دنیا کی خاطر ذلیل ہونے کے عذاب سے نجات مل جائے گی اور اعمال میں اخلاص پیدا ہوگا......

یہ پانچ کام زیادہ کرنے ہیں......مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ...... ہر عمل کی جان اخلاص اور ذکر میں ہے......یعنی ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے اور ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد کا نور بھرا ہوا ہو......تب وہ عمل قبول ہوتا ہے......

کچھ کام بند کردیں

(۱) بدنظری......اپنی آنکھوں کی خوب خوب حفاظت کرنی چاہئے ......ورنہ رمضان المبارک کا نور حاصل کرنا مشکل ہوجائے گا......

(۲) ٹی وی بالکل بند کردیں، نہ خبریں نہ کچھ اور

(۳) گناہ والی مجلسیں......وہ مجالس جن میں بے حیائی کی باتیں......غیبت اور جھوٹ کا چلن ہو...... ان مجالس میں بیٹھنا بند کردیں......

چند کام کم کردیں

(۱) کھانا (۲) پینا (۳) سونا (۴) جائز لذت حاصل کرنا (۵) گفتگو کرنا (۶) دنیوی اخبارات و رسائل پڑھنا

یہ تمام کام عام دنوں سے کم کردینے چاہئیں......

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو امام



پھولوں جیسے روزے

محمد فیصل علی

آسمان سے ہلکی ہلکی بارش زمین پر پڑ رہی تھی۔

یہ اپریل کا مہینہ تھا۔موسم بہار کا اختتام ہونے کو تھا۔اس ٹھنڈے میٹھے موسم میں بارش کی پھوار پرلطف محسوس ہو رہی تھی۔ماحول نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔

بستی کے چاروں طرف پھیلے پہاڑی سلسلے بھی خوب چمک دمک رہے تھے،گویا بارش سے ان کا رنگ اجلا ہوگیا تھا۔بستی کے لوگ نماز جمعہ سے واپس آ رہے تھے۔ایک جم غفیر پیدل چلتا دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک ہجوم کو چیرتے ہوئے دو لڑکے ہنستے کھیلتے دوڑتے ہوئے نظر آئے۔یہ دونوں لڑکے سگے بھائی تھے۔بڑے کی عمر گیارہ سال اور چھوٹے کی آٹھ برس رہی ہوگی۔

وہ دونوں دوڑتے دوڑتے مجمع سے آگے نکل گئے اور شاہراہِ عام پر دوڑتے چلے گئے۔

بڑا بھائی پندرہ بیس میٹر آگے نکل گیا تھا اور چھوٹا پیچھے رہ گیا تھا۔اسے اب تھکاوٹ بھی محسوس



ہونے لگی تھی۔ پھر وہی ہوا، وہ تھک گیا اور رک کر پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بڑے بھائی کو پکارنے لگا۔

''شہیر! رک جاؤ، میں بہت تھک گیا ہوں۔''

یہ آواز سن کر اگلا ٹھٹک کر رکا اور پھر مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ پیچھے دیکھنے لگا۔

''کیوں جریر! تم آخر کب دوڑنا سیکھو گے؟'' شہیر نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''بھائی! اتنا زیادہ تو دوڑا ہوں، پھر میں آپ سے چھوٹا بھی تو ہوں اور روزہ بھی ہے مجھے۔'' جریر نے شکایت والے انداز میں کہا۔

''اچھا! اچھا! ٹھیک ہے، آؤ! ادھر بیٹھتے ہیں۔'' شہیر نے سڑک کنارے ایک جانب پڑے بینچ کی طرف اشارہ کیا۔

دونوں وہاں بیٹھ گئے۔

''اب ہم کیا کریں گے؟'' جریر نے پوچھا۔

''بھئی! جمعہ کا مبارک دن ہے، ہم درود شریف کی کثرت کریں گے اور پھر شام کو امی کے ساتھ کام کاج بھی کروائیں گے۔'' شہیر روانی میں کہتا چلا گیا۔

''بالکل ٹھیک! ارے شہیر ادھر دیکھو!'' اچانک جریر کے منہ سے نکلا۔

شہیر کی نگاہیں اس سمت اٹھ گئیں۔ اس نے دیکھا، ایک شخص تروتازہ پھولوں کے ہار اٹھائے ہوئے چلا آرہا تھا۔

''پھول بیچنے والا ہے، تم حیران کیوں ہو؟'' شہیر نے کندھے اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ان پھولوں کو کہاں لیے جارہا ہوگا؟'' جریر نے سوچتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے روزہ لگا ہوا ہے تمھاری عقل کو، بھئی یہاں قریب ہی ایئرپورٹ ہے اور وہاں دن میں کئی جہاز اترتے ہیں، بہت سے مسافر ایسے ہوتے ہیں جو عمرہ کرکے آتے ہیں تو ان کے رشتہ دار ان کے اعزاز میں پھولوں کے ہار پہناتے ہیں۔ اب سمجھے؟'' شہیر نے تفصیل سے بتایا۔

''اچھاااا! اب سمجھااا!'' جریر نے لفظوں کو کھینچا پھر وہ یک دم اچھلا، اس کے چہرے پر جوش طاری ہوگیا، ساتھ ہی اس کی آواز سنائی دی:

''ہم بھی ایک ہار لے لیتے ہیں''

''مگر کیوں؟ کس لیے؟'' شہیر نے آنکھیں نکالیں۔

''امی جان کے لیے۔'' جریر جھٹ سے بولا۔

''ہمم۔۔! ٹھیک ہے۔'' شہیر نے مانتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت پھول بیچنے والا ان کے قریب آگیا تھا۔

انھوں نے اسے روکا اور گلاب کے پھولوں سے بنا ہوا ایک ہار منتخب کرکے اس کے پیسے ادا کرنے لگے۔

عین اسی وقت ان کے سامنے گزرنے والی ایک کار اچانک گھرر کی آواز نکالنے لگی اور پھر وہ

ایک جھٹکا کھا کر رک گئی۔

''اناللہ، اسے بھی ابھی بند ہونا تھا، تو بہ میرے اللہ!'' انھوں نے ڈرائیور کی جھلائی ہوئی آواز سنی۔ اس سے پہلے کہ وہ کھڑکی سے سر نکال کر مدد کے لیے کچھ کہتا، پھولوں والے انکل نے پھول بینچ پر رکھے اور دونوں بھائیوں سے کہنے لگا:

''آؤ! لڑکو، ذرا اپنے روزے کو تروتازہ کرلیں!''

جج۔۔ جی جی؟'' شہیر کے منہ سے ہکلاتے ہوئے لفظ نکلے۔ پھولوں والا آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے بات چیت کی کہ اسے کیا مدد چاہیے۔ ڈرائیور نے اسے بتایا کہ کار دھکا سٹارٹ ہے، اگر وہ دھکا لگوا کر کار سٹارٹ کروالیں تو وہ شکر گزار ہوگا۔ تب تک شہیر اور جریر بھی ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔

انھوں نے دیکھا، کار کی پچھلی نشست پہ ایک عمر رسیدہ بزرگ لیٹنے والے انداز میں بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر نقاہت کے آثار نمایاں تھے۔ شہیر، جریر اور پھول والے نے مل جل کر دھکا لگایا، جلد ہی کار سٹارٹ ہوگئی۔

''بچو! اللہ تمھیں پھولوں کی طرح شاداب رکھے!''

اس بزرگ نے ہلکا سا سر اٹھا کر انھیں دعا دی۔ انھوں نے آمین کہا اور پھر کار چل پڑی۔ ایسے میں شہیر نے پوچھا:

''آپ نے اس وقت روزے کو تروتازہ کرنے کا کہا تھا، اس کا کیا مطلب؟''

پھول والا انکل مسکرایا اور اپنے پھول اٹھانے لگا، وہ کچھ بولا نہیں تھا، بلکہ اپنا تھیلا کھولنے لگا تھا، شہیر اور جریر پر تجسس طاری ہو چکا تھا۔ اس نے تھیلے سے ایک بوتل نکالی، اس میں پانی بھرا تھا، بوتل کے منہ پر اسپرے والا ڈھکن لگا تھا، اس نے پھولوں پہ اسپرے کیا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ تروتازہ اور خوش نما نظر آنے لگا۔

تبھی وہ بولا:

''دیکھا بچو! میں نے جب پھولوں پہ پانی کا اسپرے اور چھڑکاؤ کیا تو وہ تروتازہ ہوگئے ہیں، ہمارا روزہ بھی ایک نازک پھول جیسا ہوتا ہے، جیسے پھول کی حفاظت ضروری ہے ویسے روزے کی حفاظت بھی ضروری ہے، مزید اس روزے کے پھول کو تروتازہ رکھنے کے لیے اور اسے خوشبودار بنانے کے لیے اس پر نیکیوں کا پانی چھڑکتے رہنا چاہیے، اب سمجھے ہو میری بات؟''

''بہت خوب انکل! روزے کو تروتازہ رکھنے کی بات تو سمجھ آگئی، اس کی حفاظت کیسے کریں ہم؟'' یہ سوال جریر نے کیا تھا۔

پھولوں والے نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا اور پھر ایک پیارا سا سفید پھول اس کی طرف بڑھایا، ساتھ ہی وہ بولا:

''اگر میں کہوں کہ اس پھول کی شام تک

حفاظت کرو! اسے ہر نقصان پہنچانے والی چیز سے بچاؤ! اسے مرجھانے سے بچاؤ، تو شام کو تمھیں ایسے ستر پھول ملیں گے تو تم کیا کرو گے؟''

جریر نے پھول تھام لیا اور جوش بھرے لہجے میں کہا: ''میں اسے دھوپ اور گرمی سے بچاؤں گا، اس پہ پانی کا چھڑکاؤ بھی کروں گا، اس کی ہر طرح سے حفاظت کروں گا۔''

''بہت خوب بیٹا! روزہ بھی اسی طرح ہے۔ روزے میں ہم پر حلال چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی پابندی لگ جاتی ہے۔

جب حلال چیزیں منع ہیں تو حرام اور ناپسندیدہ چیزیں تو زیادہ سختی سے منع ہوں گی نا؟'' انکل نے کہا اور رکے۔ جریر اور شہیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پھر بولے۔

''تو پھر ہمارے روزے کیسے ٹھیک ہوں گے جب ہم روزہ رکھنے کے بعد موبائل گیم کھیلتے رہیں گے یا پھر ویڈیوز دیکھتے ہوئے وقت گزاری کریں گے یا پھر سوشل میڈیا کے دلدل میں گھسے رہیں گے، سوچنے کی بات ہے نا؟

یہ گنتی کے چند دن ہیں جنھیں ہم نے اللہ کے لیے گزارنا ہے، روزہ وہ نیازمندی اور عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ منسوب کیا کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔

اب بھی اگر ہم رمضان المبارک کے ان پھول جیسے روزوں کی حفاظت نہ کرسکیں تو محرومی ہی ہے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔''

''آمین!'' شہیر اور جریر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

پھولوں والا آگے بڑھ چکا تھا۔ انھیں ایک احساس گھیر چکا تھا۔ ذمہ داری کا۔

انھیں لگ رہا تھا کہ روزہ رکھ کر انھوں نے ایک نرم و نازک سا پھول ہاتھوں میں تھاما ہوا ہے اور اب اس کی مکمل حفاظت انھی کی ذمہ داری ہے۔ اگر سارے روزے اسی طرح حفاظت میں گزر گئے تو یہ تیس پھول بن جائیں گے اور یوں یہ سارے پھولوں جیسے روزے ان کے لیے ایک خوب صورت ہار کی شکل میں محفوظ ہو جائیں گے۔

ان دونوں نے خیالوں ہی خیالوں میں محسوس کیا کہ وہ تیس پھولوں کا بنا ہوا ایک خوب صورت ہار گلے میں لٹکائے ہوئے جا رہے ہیں اور ان کے سامنے جنت کا دروازہ ''باب الریان'' کھلا ہوا نظر آ رہا ہے۔

''روزوں کا ہار

روزوں کے پھول''

ان دونوں نے مختلف نعرے لگائے اور بھاگتے ہوئے گھر کا رخ کرنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

تاریکیاں منتظر ہیں صبحِ طلوع کی



بنتِ ضرار معاویہ

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور دور کہیں سے" حی علی الصلاۃ" کی آوازیں گونج رہی تھیں!!

چائے کا کپ اٹھا کر کچن میں رکھ کر وہ نماز کی تیاری کے لیے چل دی آج صبح سے ہی فاطمہ کا دل بوجھل سا تھا۔

کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو ہر سو خاموشی کا راج تھا اور یہ خاموشی فاطمہ کے دل پہ ہمیشہ بھاری گزرتی تھی۔

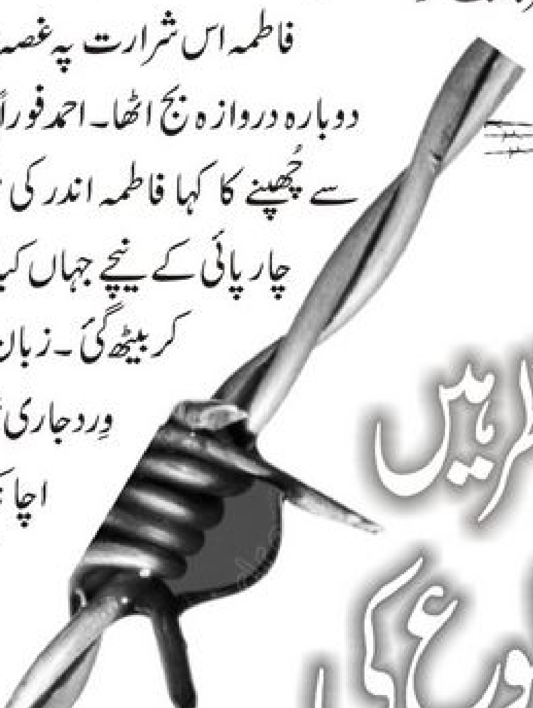
خاموشی میں ایک دم ہی دروازے کی آواز گونجی تو فاطمہ اچھل کر رہ گئ اور سر جھٹک کر دروازے کی طرف بڑھی۔



احمد کی آواز پر دروازہ کھولا جو بتیسی کی نمائش کر رہا تھا۔ جانتا تھا کہ ہمیشہ کی طرح فاطمہ تیز آواز پر ڈر گئ ہوگی جو اس کو کھڑی گھور رہی تھی۔

احمد فاطمہ کی ناک دبا کر بنا فاطمہ کو موقع دیئے کمرے میں نو دو گیارہ ہو گیا۔

فاطمہ اس شرارت پہ غصہ ہوتی کہ ایک دم دوبارہ دروازہ بج اٹھا۔ احمد فوراً باہر آیا اور فاطمہ سے چُھپنے کا کہا فاطمہ اندر کی طرف بھاگی اور چارپائی کے نیچے جہاں کباڑ کا ڈھیر تھا دبک کر بیٹھ گئ۔ زبان پہ درود شریف کا وِرد جاری تھا۔



اچانک فوجی بُوٹوں کی دھمک سے فاطمہ کے اوسان

خطا ہو گئے جو احمد سے دریافت کر رہے تھے کہ یہاں کوئی آیا تو نہیں ہے؟

پورے گھر تلاشی کے بعد جب کچھ نہ ملا تو وہ احمد کو باہر دروازے کے پاس لے جا کر لاتوں مکوں کی بارش کر گئے اور واپس آنے کی دھمکی بھی دی۔ فاطمہ اُن کے جاتے ہی فوراً باہر نکلی۔

اچھے طریقے سے دروازے کھڑکیاں بند کرنے کے بعد اپنے بھائی کے پاس دوڑ کر آئی اس کے سر سے خون نکلتے دیکھ کر اسکی ہچکیاں بندھ گئیں۔ زری نے روتے روتے اسکی مرہم پٹی کی کہ احمد نے ہلکے سے آنکھیں کھول کر بہن کو تسلی دی کہ میں ٹھیک ہوں۔

زری نے احتیاط سے چارپائی پہ لٹا کر ہلدی والا دودھ پلایا اور اس کے پاس بیٹھی رہی۔ اس کے سامنے اس کا ہولناک ماضی گھوم گیا۔

جہاں وہ پندرہ سال کی خوبصورت لڑکی اپنی بڑی بہن زرتاشہ جس کو پیار سے تاشہ کہتے تھے۔ اس کے ساتھ نوک جھونک میں مصروف تھی اور احمد اس وقت اماں کی گود میں کھیل رہا تھا جو کہ بمشکل تین سال کا تھا کہ اچانک ہی فائرنگ کی آواز گونجی اور ان کے زخمی والد دروازہ کھول کر اندر آئے۔

تاشہ اور زری کو الماری میں چھپایا ہی تھا کہ فوجی بوٹوں کی دھمک سے زمین لرز اٹھی اور ان کی والدہ کو بالوں سے پکڑ کر کھینچنے لگے، اُن کے ابو مزاحمت کو بڑھے اور دو کو جہنم واصل کر کے دوسروں کی طرف بڑھے کہ یکا یک ان ظالموں نے دھاوا بول دیا اور خون کی ندیاں بہا دیں۔

زری کو احساس ہی نہ ہوا کہ زرتاشہ کب کی وہاں سے جا چکی ہے۔ وہ تو اس کی چیخ پہ ہوش میں آئی جب اس کے ننھے معصوم بھائی کی طرف ایک ظالم بڑھ رہا تھا اور تاشہ اس پر جھپٹ پڑی اس کو خون میں نہلا دیا اور خود بھی زخمی ہو کر گر پڑی۔

زری کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بابا کی پسٹل لے کر نکلی تو دو ظالم جو اس کی بہن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے سینوں میں ہی پسٹل خالی کر دی۔ آگے بڑھ کر ماں کو ہلایا جو خون میں لت پت تھیں۔ خود کو گھسیٹ کر بابا کی طرف بڑھی تو ان کے سینے سے لگے احمد کو دیکھا جو آنکھیں بند کئے ہلکے ہلکے ہچکیاں لے رہا تھا پھر بابا کو ہلایا جواب ندارد۔

احمد کو اٹھا کر گلے سے لگایا جو اپنی بہن کا کندھا ملتے ہی زاروقطار چیخ چیخ کر رو دیا زری نے بمشکل قدم اُٹھایا پیچھے تاشہ کو دیکھا جو اُنہیں دیکھ کر مُسکرا رہی تھی۔

فاطمہ تاشہ کے پاس بیٹھی اور رو دی۔ تاشہ نے اپنا خون سے بھرا زخمی ہاتھ اٹھایا، فاطمہ کا ہاتھ پکڑا اور اٹک اٹک کر کہنے لگی۔

’’زری! رونا نہیں خود کو اکیلا مت سمجھنا! سنبھالو! خود کو زری۔۔!

احمد کا خیال رکھنا! زری! ہم جلد ملیں گے تمہیں! ماما، بابا کے ساتھ جنت میں''

فاطمہ جو سانس روکے اور حواس قابو میں رکھ کر تاشہ کی بات سُن رہی تھی۔تڑپ کر رو دی۔

''تاشہ! ہمیں اکیلا مت چھوڑو! تاشہ میں مرجاؤنگی۔ ماما، بابا اور تمہارے بغیر، تاشہ مت جاؤ.....!''

زرتاشہ ہلکا سا مسکرائی اور پھر بہت ہی مشکل سے کہنے لگی۔

''اللہ ہے تمہارے ساتھ! تم خود جب تنہا محسوس کرنا تو رب سے گفتگو کرنا...''

تاشہ کی سانسیں اُکھڑنے لگیں اور جسم ڈھیلا پڑنے لگا تو زرتاشہ کے آخری الفاظ یہی تھے۔

''ہم جلد ملیں گے''

اور کلمہ شہادت اٹک اٹک کر پڑھنے کے بعد بھری جوانی میں تمغۂ شہادت سجا کر رب دو جہاں کے آگے سُرخرو ہوگئ!!

زری تڑپ اٹھی تھی۔اس سے بیک وقت ہی وہ گھنا نرم سا سائباں اور ناز نخرے اٹھانے والی اور جان وار دینے والی جدا ہوگئ۔

ماں باپ اور بہن کے علاوہ اس کا تھا ہی کون۔اس کے سر پہ تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔

ایک دم ہی نظر گود میں نیم بیہوشی کی حالت میں پڑے ننھے احمد پہ گئ جو ہلکا ہلکا سسک رہا تھا۔ زری کو ایک خوف دامنِ گیر ہوا، وہ ننھا شہزادہ تو جانتا بھی نہیں تھا کہ کس قیامت سے گزر آیا ہے۔ زری نے اس کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے بعد اس کو کچھ ہوش نہ رہا تھا کہ کب کیا ہوا؟

فاطمہ سسکی کی آواز سے احمد کی طرف متوجہ ہوئ، جس کے سر پر پٹی بندھی تھی جبکہ ہاتھوں کی انگلیاں برے طریقے سے کچلی جا چکی تھیں اور جسم پہ جابجا نیل پڑے تھے۔ وہ رو پڑی۔ احمد کی حالت دیکھ کر وہ ننھی جان ابھی اس ظلم کے قابل تو نہ تھی۔محض دس سال کی عمر۔

فاطمہ کا دل کیا۔چیخ چیخ کر لوگوں کو جگائے۔ لوگ اتنی غفلت میں کیوں ہیں؟ ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم کیوں مظلوم ہیں؟

کوئی ابنِ عمر کیوں نہیں آتا؟ کوئی قاسم کوئی فاتح کیوں نہیں آتا؟

کوئی سلطان صلاح الدین سا نڈر کیوں نہیں آجاتا؟ کوئ ضرار، کوئ خالد؟ کب آؤ گے؟ اے مسلمانو! تمہیں ہماری مظلومیت کیوں نظر نہیں آتی؟ خدارا! اب تو آؤ! ہمیں صیّاد کے پنجوں سے چُھڑا لو!

یا اللہ! وہ اذیت سے رو پڑی اور روتے روتے ماں کا تصور کر کے گُنگنانے لگی۔

درد بہت ہے پہلے ہی ماں کتنا اور اب سہنا ہے
سُن لو دنیا کے رکھوالو ہم کو بھی کچھ کہنا ہے
یاد ہے تم کو دکھ ساروں کے میرا دکھ کیوں یاد نہیں
اب تو ہے آزاد یہ دنیا پھر میں کیوں آزاد نہیں

ماں کشمیر تو جنت ہے نا جنت میں طوفان ہے کیوں
حق تو حیوانوں کے بھی ہیں درد میں پھر انسان کیوں

اور روتے روتے نجانے کب سو گئی!!

احمد جو اس کے سوتے ہی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کرنے لگا اور ایک نیا عزم و حوصلہ کرنے لگا کہ جان کہ بازی لگا دے لیکن آزادی لے کر رہے گا اور مسکرا کر آنکھیں موند گیا جہاں تصور میں وہ فاتح بنا تھا۔

☆☆☆☆☆

یہ منظر تھا جموں کشمیر کے ایک گھر کا جو اُجاڑ دیا گیا۔ ویران کر دیا گیا۔ نجانے ایسے ہی کتنے لاکھوں گھر اُجاڑے گئے۔

ابھی تو نجانے کتنی راتیں یونہی گزارنی ہیں۔ موت کا انتظار کرتے کرتے۔

اب تو موہوم سی امید جو مسلمانوں سے ہے وہ بھی چھوٹنے لگی ہے۔

سنا ہے بہت سستا ہے خون وہاں کا
ایک وادی ہے جس کو لوگ کشمیر کہتے ہیں

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

ایک دروازہ



اپنے اور اللہ کے درمیان ایک دروازہ چھوڑ رکھیے!

ایک مرتبہ سہیل بن عمر اور ان کی اہلیہ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کا سارا ساز و سامان چھین لیا۔ ڈاکو لوگ بیٹھ گئے اور کھانے پینے کی جو چیز انھوں نے لوٹی تھی۔ اسے کھانے لگے۔ سہیل بن عمر کو پتا چلا کہ ڈاکوؤں کا سردار ان کے ساتھ نہیں کھا رہا ہے۔ تو سہیل بن عمر نے اس سے کہا: کیا بات ہے کہ تم ڈاکوؤں کے ساتھ نہیں کھا رہے ہو؟ تو ڈاکوؤں کے سردار نے جواب دیا کہ میں نے آج روزہ رکھا ہے۔ سہیل بن عمر حیرت میں پڑ گئے۔ اور اس سے کہا کہ تم چوری بھی کرتے ہو اور روزہ بھی رکھتے ہو۔ تو ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ میں نے اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان ایک دروازہ چھوڑ رکھا ہے۔ اس امید پر کہ کسی نہ کسی دن میں اس سے داخل ہو جاؤں گا اور میرا بیڑا پار ہو جائے گا۔ چند سالوں بعد سہیل بن عمر نے حج کے موقع پر دیکھا کہ وہی (ڈاکوؤں کا سردار) غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے۔ اس حال میں کہ وہ متقی اور پرہیزگار بن چکا ہے۔ سہیل بن عمر نے دیکھتے ہی اسے پہچان لیا۔ وہ کہنے لگا کہ اے سہیل شاید تمہیں نہیں معلوم کہ جو اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان ایک دروازہ چھوڑ دیتا ہے تو وہ کسی نہ کسی دن اس سے داخل ہو جاتا ہے اور اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ اس نعمت پر میں اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تو اے لوگو اگرچہ تم گنہ گار ہو! لیکن اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان تمام دروازے بند کرنے کرنے سے بچو۔ اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان ایک دروازہ ضرور چھوڑ رکھو یہی ایک دروازہ تمہارے لیے بہت سارے دروازے کھول دے گا۔

(کاشف خان)

بڑے ابو کی حویلی کا سفر



عمیر شیخ
متحدہ عرب امارات دبئی

زندگی سفر مُسلسل ہے۔نہ کسی کے آنے سے رکتی ہے نہ ہی کسی کے جانے سے۔

عمر کے بعض حصے ایسے ہوتے ہیں جس میں ہر چیز نئی اور خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور ہر کام ،کام نہ ہو کر ایک ایڈونچر ہوتا ہے۔انھیں ادوار میں سے ایک دور بچپن ہے۔جب ہم کچھ نہ ہو کر بھی کسی سقراط اور ابن بطوطہ سے خود کو برابر نہ سہی تو کم بھی نہیں سمجھ رہے ہوتے۔

ایسا ہی اک دور ہم پر بھی گزرا۔ہم پانچویں جماعت کے طالب علم تھے۔ان دنوں ہماری رہائش ہمارے قصبے"صبر حد" میں ہوا کرتی تھی۔ صبر حد ہی کے ایک مدرسہ میں ہم زیر تعلیم تھے۔ جس کا نام "جامعہ فاروقیہ" تھا۔

ان دنوں ہمارے قصبے کے باہری حصے میں بڑے ابو (جو ہمارے ابو اور امی دونوں کے پھوپھی زاد ہیں) کی حویلی کے بڑے چرچے تھے۔ جو ابھی تعمیر کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس حویلی کے بارے میں عجیب و غریب باتیں مشہور تھیں۔لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ زمین جس پر حویلی تعمیر ہو رہی ہے،اس کا کچھ حصہ پرانا قبرستان ہوا کرتا تھا۔

بعض کا کہنا تھا کہ کھدائی کے دوران وہاں سے کئی ڈھانچے بھی ملے ہیں۔بعض تو وہاں اکیلے جانا نامناسب سمجھتے تھے۔

ہمارا جب بھی وہاں جانا ہوا ابو کے ساتھ ہی ہوا۔تنہا جانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔اگر چہ وہ ابھی زیر تعمیر تھی پھر بھی بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔اس کی اوپری منزل سے چاروں اطراف کے کھیت دکھائی دیتے تھے۔جو بڑے پرکشش تھے۔

ایک دن چلچلاتی دھوپ میں گرمی کے موسم میں،دوپہر کے وقت جبکہ اکثریت آرام کر رہی ہوتی ہے۔ہمیں اکیلے حویلی کا رخ کرنے کی سوجھی۔

چونکہ سارے لوگ آرام کر رہے تھے تو کوئی دیکھنے والا بھی نہیں تھا۔ جلدی جا کر جلدی آنا تھا۔ اس لیے عام شاہراہ کو چھوڑ کر ہم نے پچھلی جانب کا رخ کیا۔

ہمارے گھر کا پچھلا دروازہ جسکو عرف میں کھڑکی کہتے ہیں۔ وہاں سے باہر نکلے۔ بائیں جانب چھوٹی دادی کی کھڑکی (چھوٹا دروازہ) تھی۔ دائیں جانب ہماری نانی کی کھڑکی۔ سامنے کی جانب عورتوں کے پردے کی خاطر کچی اینٹ کی دیوار ہوتی تھی۔ اس دیوار کو عبور کرو تو، چھوٹی دادی (ابو اور امی کی چچی جان) کا اصل دروازہ تھا۔ وہاں بھی گرمی کی وجہ سے کوئی نہیں تھا۔ ہم بہ آسانی وہاں سے نکل گئے۔

آگے بڑھے تو میاں چچی کا گھر تھا۔ نہ جانے یہ ان کا اصلی نام تھا یا کسی نے لقب دے دیا تھا۔ ان کا نام میاں چچی کیوں تھا؟ یہ آج بھی ہمارے لیے معمہ ہی ہے۔ وہ بڑے چھوٹے سب کی میاں چچی تھیں۔ ان کی خاص بات یہ تھی کہ وہ پولیس کے نام سے بھی ڈرتی تھیں۔ سب کہتے تھے کہ پولیس کا نام اگر مزاق میں بھی کوئی لے لیتا تو ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔

خیر! حسب دستور وہ بھی آنکھ موندے لیٹی تھیں۔ وہاں سے آگے آئے تو جھونا آپا جو میاں چچی کی بیٹی تھیں ان کا گھر تھا۔ کامل مٹی کا گھر ہم نے ان ہی کا دیکھا، دیواریں بھی مٹی کی اور فرش بھی مٹی کا تھا۔ اس مٹی کے چھوٹے سے گھر کی خاص بات یہ تھی کہ اس کا دالان کا حصہ سخت گرمی میں بھی ٹھنڈا ہی رہتا تھا۔ ہاں! برسات میں ان کو کافی مشقت کا سامنا ہوتا تھا۔

آج ہماری قسمت اچھی تھی کہ ان کا کواڑ بھی بند تھا۔ ان کا گھر ہمارے محلے کا آخری گھر تھا۔ پھر تو ہر طرف کھیت ہی کھیت تھے۔ دائیں جانب مڑو تو ٹیوب ویل آتا تھا اور ذرا ترچھے آگے ہو کر پگڈنڈی لو تو حویلی کا راستہ تھا۔ مختلف اقسام کی فصلیں ہر طرف لہلہا رہی تھیں۔

ہم نے کھیتوں کے درمیان کی پگڈنڈی پکڑی کہ یہ حویلی تک کا سب سے مختصر راستہ تھا۔ سرسوں کے پیلے پیلے پھول بہت اچھے لگ رہے تھے۔ کچھ فصلیں ہری کچھ سنہری مائل ہو رہی تھیں۔ کچھ کھیتوں میں سبزیاں بوئی ہوی تھیں۔ سیدھے راستے سے کئی چھوٹی پگڈنڈیاں بنتی تھیں۔ تھوڑے آگے تقریبا تیس قدم پہ اک چکی تھی۔ کبھی اچانک ضرورت پڑنے پر ہم بھی آٹا پسوانے وہاں چلے جاتے تھے۔

یہی ہماری ''سرحد'' تھی۔ اس کے آگے تنہا جانے کی ہم کو اجازت نہیں تھی۔ مگر آج تو ہم خود کو ابن بطوطہ سمجھ رہے تھے۔ اس لیے سرحدیں کہاں رکاوٹ بنتیں؟ ہم آگے بڑھے تو راستے میں اک کھیت میں مور بھی پھرتا دکھائی دیا۔ وہ کچھ دور تھا اس لیے ہم مطمئن تھے لیکن پھر ہم کو یاد آیا کہ مور

سانپ کا شکار کرتا ہے۔ذہن میں آیا کہ کہیں آس پاس سانپ تو نہیں؟ جس کے شکار کے لیے مور چکر کاٹ رہا ہو؟

مگر اب گھر سے اتنی دور آچکے تھے کہ واپسی ممکن نہ تھی۔گھر دور اور حویلی قریب آچکی تھی۔نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔اب مرتا کیا نہ کرتا کہ تحت آگے بڑھنا ہی بہتر لگا۔ان سوچوں نے مور کو دیکھنے کی خوشی کو بھی ماند کر دیا۔

کچھ آگے بڑھے تو سبزی والوں کی بستی شروع ہوگئی۔جن کو ہمارے علاقے کی زبان میں ''کوری'' کہتے ہیں۔وہاں کچھ لوگ چلتے پھرتے نظر آئے تو ذرا تسلی ہوئی۔اتنے میں حویلی کا گیٹ بھی آچکا تھا۔وہاں چوکیدار نظر نہیں آیا۔ہم نے بھی کچھ خاص توجہ نہیں دی۔منزل پہ پہنچنے کا اطمینان اور خوشی ہی اور تھی۔

دروازہ پر کچھ بڑی بطخیں اِدھر اُدھر آجا رہی تھیں۔ابھی ہم گیٹ سے کچھ آگے ہی بڑھے تھے کہ اچانک ایک بطخ نے اپنی گردن لمبی کر کے ہماری جانب دوڑ لگا دی۔یہ دیکھ کے ہمارے تو اوسان ہی خطا ہو گئے۔ ہماری ٹانگوں نے خودساختہ قانون کے تحت دوڑ لگا دی اور امی کا سکھایا ہوا سبق فوراً زبان پہ جاری ہوگیا۔

امی نے ہم کو ہر خطرے اور ڈر کے وقت اللہ سے اس دعا کے ذریعے مدد مانگنا سکھایا تھا۔جو خود بخود زبان پہ جاری ہوگئی۔

''لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلي العظیم''

ہماری زبان پہ ان کلمات کا جاری ہونا تھا کہ گویا اس بطخ کو کسی نے بٹن دبا کر روک دیا ہو،وہ فوراً رک گئی اور ایسے ٹہلنے لگی جیسے ٹہلنا ہی اس کا مقصد حیات ہو۔ہماری ٹانگوں میں کپکپی باقی تھی۔ خطرہ ٹلا تھا۔ختم نہیں ہوا تھا۔اس لیے ہم نے ان کلمات کا ورد جاری رکھا۔

ہمارے نبی ﷺ نے ان کلمات کے بارے میں فرمایا ہے:

یہ کلمات ''کَنزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّہ'' ہیں۔

حویلی میں ابو کے ''دوسرے پھوپھی زاد بھائی کی اہلیہ یعنی ''ہماری چچی'' موجود تھیں۔انہوں نے بڑا پرخلوص استقبال کیا۔تھوڑی حیران بھی ہوئیں کہ اکیلی آئی ہو! کوئی ساتھ نہیں آیا؟

ہم نے بھی بس بدقت مسکرا کر حامی بھرنے میں ہی عافیت جانی۔اور انھیں کچھ نہیں بتایا کہ ان کی چوکیدار بطخوں نے ہمارا کیا حشر کیا ہے؟

ایک وہ دن تھا اور ایک آج کا دن ہے۔ہم نے کسی بھی قسم کے چھوٹے بڑے سفر میں تنہا جانے سے توبہ کر لی۔

یہ راز ہم پر کھل چکا تھا کہ سفر میں تنہا نکلنا بالکل مناسب نہیں۔ایک سے دو ہر حال میں بہتر ہوتے ہیں!!

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

تحفے والا مہمان

عمارہ فہیم



"امی! ہماری ٹیچر بتا رہی تھیں، ہم سب مسلمانوں کے گھر مہمان آنے والا ہے۔"

سعد نے اسکول سے آکر کھانا کھانے کے بعد ماں سے کہا۔

"مگر امی! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ٹیچر کو کیسے معلوم ہوا کہ ہمارے گھر مہمان آنے والا ہے؟"

سعد نے ایک انگلی سر کے نیچے دائیں جانب رکھ کر سوچنے کے انداز میں کہا۔

"تو آپ ٹیچر سے پوچھ لیتے نا کہ کون سے مہمان آرہے ہیں؟"

رابعہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی! میں نے پوچھا تھا اور ٹیچر بتانے ہی والی تھیں کہ خالہ جان (صفائی والی خالہ) آئیں اور انھوں نے کچھ کہا تو ٹیچر ان کے ساتھ چلی گئیں۔"

سعد کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

"اوہو! چلو کوئی بات نہیں، کیا میں آپ کو بتاؤں کون سا مہمان آرہا ہے؟"

ماں نے سوالیہ انداز میں پوچھتے ہوئے سعد کو دیکھا۔

"جی امی!"

"چلو! میں مہمان کا نام بتانے سے پہلے آپ سے ایک سوال پوچھتی ہوں، اسلامی مہینے کتنے ہوتے ہیں؟"

"ہمم! ہم نے عربی کی کتاب میں پڑھا تھا کہ اسلامی مہینے بارہ ہوتے ہیں۔ محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، رمضان، شعبان، جمادی الاول۔۔۔اور یاد نہیں آرہے۔"

سعد نے بہت سوچ سوچ کر کچھ آگے پیچھے نام بتائے۔

"شاباش! آپ کو تو بہت سارے نام یاد ہیں۔ کوئی بات نہیں، اب میں بتاتی ہوں۔ محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ۔"

رابعہ نے انگلیوں پر گن گن کر ایک ایک نام بتایا تو سعد بھی ساتھ ساتھ انگلیوں پر گننے لگا۔

”ارے واہ امی! یہ تو پورے بارہ ہیں۔“

سعد کے چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

”جی بیٹا! ان پیارے مہینوں میں سے ابھی شعبان المعظم کا مہینہ چل رہا ہے اور اب آنے والا ہے وہ مہینہ جسے سب مہمان کہتے ہیں۔“

امی نے مسکرا کر کہا اور سعد کو دیکھا، جس کے ماتھے پر ایک دم سے کچھ لکیریں ابھریں تھیں۔

”اوہ! تو کیا ٹیچر اس مہمان کی بات کر رہی تھیں؟ مگر امی اس کو سب مہمان کیوں کہتے ہیں؟ اس کی طرح دوسرے مہینے بھی تو آ کر چلے جاتے ہیں اور پھر اگلے سال ہی آتے ہیں؟“

سعد نے پرسوچ لہجہ میں ذہن میں اچھلتا مچلتا سوال پیش کیا۔

”ہاں! یہ تو سوچنے والی بات ہے، چلو آؤ! سوچتے ہیں۔“

تھوڑی دیر بعد۔۔

”امی! مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا، کیا آپ کو سمجھ آیا؟“

”ہمم! مجھے تو سمجھ آ گیا، کیا آپ بھی جاننا چاہو گے؟“

رابعہ بیگم نے ایسے خوش ہو کر کہا جیسے انھیں کوئی خزانہ مل گیا ہو۔

جس پر سعد کو اور بھی تجسس ہوا۔

”جی امی! مجھے بھی جاننا ہے، جلدی بتائیں نا، ورنہ پھر ہوم ورک کا وقت ہو جائے گا۔“

”دیکھو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب کا مہینہ آتا تھا تو دعا پڑھتے تھے:

”اللھم بارک لنافی رجب و شعبان و بلغنا رمضان“

ترجمہ:

اے اللہ! ہمارے رجب اور شعبان میں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دے۔

ماہ رمضان میں سب روزے رکھتے ہیں اور روزے دار بندہ اللہ کو بہت محبوب ہے۔ بلکہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے روزے دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پسند ہے۔ یہی نہیں! اللہ رب العزت اس مہینے میں شیطان کو بند کر دیتے ہیں۔ ہر عمل کا ثواب ستر گنا سے زیادہ بڑھا کر دیتے ہیں اور قیامت کے دن روزے داروں کا اللہ رب العزت خوب اکرام کریں گے۔ اس لیے رمضان کو مہمان کہا جاتا ہے۔“ رابعہ بیگم نے تفصیل سے بتایا۔

”امی! اس میں مہمان والی کیا بات ہوئی؟“

سعد کو اپنے سوال کا جواب نہ ملا تو وہ بول پڑا۔ رابعہ بیگم اس کی بے صبری پر مسکرائیں اور بات کا سلسلہ پھر سے شروع کیا۔

”وہ ایسے کہ..... بڑے کہتے ہیں اللہ کے بندو! تمھارے دروازے پر کوئی آئے اور ساتھ

بہت سے تحفے بھی لائے تو کیا تم اسے خالی ہاتھ جانے دو گے؟ نہیں نا! تو جو مہینہ تمھارے پاس نعمتوں کا اتنا بڑا خزانہ لا رہا ہے۔ اس کا اکرام نہیں کرو گے؟ اب اکرام تو ہر کوئی مہمان کا کرتا ہے نا تو بس رمضان ہم سب کے لیے مہمان ہوا"

رابعہ نے آرام آرام سے سعد کے ذہن کے مطابق ہر بات سمجھائی۔

"واہ امی! مطلب جو بھی روزہ رکھے گا۔ اللہ جی اس سے محبت کریں گے اور اسے بہت سارے انعام دیں گے؟"

سعد نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"جی بالکل! جو بھی اللہ کے لیے روزہ رکھے گا تو اللہ رب العزت اسے انعام دیں گے۔ ارے ہاں! میں تو بھول گئی صرف قیامت میں نہیں بلکہ اللہ رب العزت تو روزے دار کو دنیا میں بھی انعام دیتے ہیں"

"کیا سچی مچی!؟"

سعد کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

"جی سچی مچی! آپ کو معلوم ہے نا! کہ ہم سال میں دو بار عید مناتے ہیں۔"

"جی! ایک عید الفطر اور ایک عید الاضحیٰ" سعد نے فوراً سے جواب دیا۔

"شاباش! اچھا! وہ کون سی عید ہے جس میں قربانی کی جاتی ہے۔"

"وہ عید الفطر ہے شاید۔"

"نہیں! جس عید پر ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہم قربانی کرتے ہیں وہ ذی الحجہ کے مہینے میں ہوتی ہے اور اسے ہم عید الاضحیٰ کہتے ہیں اور جو عید الفطر ہے وہ آتی ہے روزوں کے بعد، جب روزے دار پورا مہینہ روزہ رکھتا ہے تو اللہ رب العزت انعام میں اسے عید جیسی خوشی عطا کرتے ہیں، جس میں ہر مسلمان سنت کے مطابق عید کی نماز پڑھتے ہیں اور۔۔۔"

"اور ہم اس میں مزے مزے کے کھانے کھاتے ہیں اور سب ہمیں بہت ساری عیدی اور تحفے دیتے ہیں۔"

خوشی کا سنتے ہی سعد سے رہا نہ گیا اور اپنے مطلب کی خوشی اور مزے پیش کرنے لگا تو رابعہ بیگم نے بھی مسکرا کر کہا۔

"جی جی! مزے مزے کے کھانے اور بہت ساری عیدی۔"

"اب تو میں بھی روزے رکھوں گا اور اللہ رب العزت کے تحفے والے مہمان کا بہت اچھا اکرام کروں گا تاکہ مجھے بہت ساری چاکلیٹس انعام میں ملیں۔"

تو بچو! سعد نے اللہ کے مہمان کا خیال رکھنے کی سچی نیت کی اب آپ کب کر رہے ہیں؟

☆☆☆☆☆

تلواروں کے سائے تلے

ہانیہ بنت عبدالرشید



عصر کا وقت تھا۔اس وقت بچے سارے اپنے گھروں سے نکل کرگلیوں میں کھیل کود میں لگے ہوئے تھے جن میں عبدالباری اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھا اور اس کا چھوٹا بھائی عبدالرحمن سائیکل چلارہاتھا۔بڑے بھائی کی نگرانی میں وہ صرف اورصرف اُسی گلی کے چکرکاٹ رہاتھا، جہاں اس کا بڑا بھائی کرکٹ کھیل رہاتھا۔

’’احتیاط سے عبدالرحمن لگ جائے گی بال‘‘ چھوٹے بھائی پرچیختے ہوئے بولا۔

’’جی بھائی!‘‘ مؤدب طریقے سے بولتے ہوئے وہ اپنی سائیکل کوگھر کی طرف لے گیا۔

مغرب کی اذان ہوتے ہی عبدالباری وضوکرنے کے لیے دوڑااورساتھ میں چھوٹے کولے کرمسجد کی طرف نماز پڑھنے کے لیے چل دیا۔

مغرب کی نماز کے بعد عبدالباری اپنے کالج کے کام میں لگا ہواتھااورساتھ میں چھوٹا بھائی اس کے ساتھ ٹیک لگائے اُس کولکھتے ہوئے دیکھ کرسوال کرنے لگا۔

’’بھائی!یہ آپ کیالکھ رہے ہیں؟‘‘

’’میں اپنا کالج کا کام کررہا ہوں بھائی کی جان!‘‘ انتہائی پیاربھرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے بولا۔

’’ج،ن،ت،جنت توتلوااا۔۔۔یہ کیالکھا ہے؟‘‘ بھائی عبدالباری کی لکھی ہوئی لائن وہ دہرانے لگا درمیان میں اٹکتے ہوئے اُس نے بھائی سے پڑھنے کے لیے کہا۔

’’جنت تلواروں کے سائے تلے ہے‘‘ جملہ مکمل کرتے ہوئے اس نے چھوٹے بھائی کے ٹوٹے ہوئے الفاظوں کی درستگی کی۔

’’کیا واقعی بھائی!ایسا ہی ہے؟‘‘ حیران کن لہجے میں بولا۔

’’جی ہاں!‘‘ اس نے مثبت میں سرہلاتے ہوئے جواب دیا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

عبدالرحمن نے جب دیکھا بھائی اب پڑھائی سے فارغ ہوگیا توضد شروع کردی کہ مجھے کہیں لے کرجائیں۔اس کے ضد کے آگے بھائی نے ہار مانتے ہوئے والدین سے اجازت لی اور بازار کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ ایک دکان کے سامنے رکے۔وہ دکان عبدالباری کے ایک دوست کی تھی۔ایک کھلونوں کی دکان۔موٹر سائیکل سے اترتے عبدالباری

عبدالرحمن کا ہاتھ تھامے دکان کے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں جب عبدالباری کے دوست نے اُس کو آتے ہوئے دیکھا تو گلے لگ گیا اور باتیں شروع ہوگئیں۔ ادھر عبدالرحمن اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ سے اپنی انگلی کی رہائی کروا کر دکان کے حالات کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑا سا آگے جا کر عبدالرحمن کو ایک نقلی تلوار نظر آئی جو کہ پلاسٹک کی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی وہ نیچے بیٹھ گیا اور دعاء مانگنا شروع کر دی۔

باتوں میں مصروف جب عبدالباری کی نظر عبدالرحمن پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا اور فوراً اُسکی طرف متوجہ ہوا۔

''یہ کیا کر رہے ہو عبدالرحمن؟'' بلند آواز میں اس طرح دعا مانگنے کی وجہ جاننے کے لیے بولے۔

''وہ بھائی! آپ نے ہی تو کہا تھا نا کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہوتی ہے تو بس میں یہاں اللہ سے دعا مانگ رہا تھا مجھے جنت میں داخل کر دیں!'' معصوم سی شکل بناتے ہوئے بولا۔

''ہاہاہا۔۔۔کھڑے ہو جاؤ شاباش!''

عبدالباری اور اس کا دوست قہقے مار کر ہنسنے لگے۔

کچھ ہی لمحوں بعد عبدالباری اپنے دوست کو الوداع کرتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں جاتے ہوئے عبدالرحمن کے ذہن میں وہ بات پھر سے گردش کرنے لگی اور اس نے بڑے بھائی سے پوچھا۔

''بھائی! جنت تلواروں کے سائے تلے کیسے ہوتی ہے؟''

''ارے پگلے! یہ ایک حدیث ہے ہمارے پیارے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ کافروں، مشرکوں کو قتل کرتے ہیں۔ اللہ کا دین قائم رکھنے کی خاطر ان کے ہاتھوں میں جو تلواریں ہوتیں ہیں جن سے وہ غداروں کو پچھاڑتے ہیں ان کے لیے یہ اجر ہے کہ وہ جنت میں داخل ہونگے۔ سمجھ آئی چھوٹے سے دماغ میں؟''

''بھائی! میں بھی تلوار چلاؤں گا۔'' جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے اُس نے بھائی کو کہا۔

''ہاہاہا۔ ان شاء اللہ۔ ضرور میرے شیر!''

عبدالرحمن کی باتوں میں آ کر پتا بھی نہ چلا کہ گھر آ گیا۔

لمحے سیکنڈوں میں، سیکنڈ منٹوں میں، منٹ گھنٹوں میں، گھنٹے دنوں میں اور دن سالوں میں پلٹتے گئے۔ عبدالرحمن اپنے گھر سے باہر آتے ہی اُس نے آخری الوداعی نظر اپنے گھر کی طرف ڈالی اور ہاتھ بلند کیا۔

عبدالرحمن کی نیلی آنکھیں جب نیلے آسمان کی طرف اٹھی تو وہاں اس کو اپنی تقدیر میں لکھے جنت کے دروازے کھلے نظر آئے۔

میں چلا شہید ہونے جہاں کوئی غم نہیں
جسے ہو شوق شہادت وہ میرے ساتھ چلے
میں جنت پانے چلا ہوں گر چہ راستہ ہے مشکل
جسے دیکھنی ہو جنت وہ مقتل سے لو لگائے

☆☆☆☆☆

بھالو میاں کا سکول

ابھی سورج کی کرنیں بھی ٹھیک طرح سے نہیں پھیلی تھیں کہ معمول کے مطابق گدھے میاں ٹپک پڑے اور گردن میں لٹکا ڈھول بجا کر سب کو متوجہ کرنے لگے۔

سب کے متوجہ ہونے کی دیر ہوتی وہ وہی پرانے جملے دہراتے کہ ”بھالو میاں نے جنگل میں سکول کھول لیا ہے۔“

”تعلیم ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔“

”بچوں کے داخلے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ وقت کے پابند بنیں اور بچوں کو سکول میں داخلہ کروائیں۔“

ادھر بھالو میاں کا پیغام وہ سناتا دوسری طرف مرغا بانگ دینے لگتا۔

”ککڑوں کوں۔“

”ککڑوں کوں۔“

(آجکل وہ مرغے وقت سے پہلے جاگ کر اپنا فرض نبھا رہے تھے جو بھالو میاں نے انہیں سونپا تھا)

ان کے ڈھول بجانے کی وجہ سے کسی کی نیند میں خلل ڈلتا ہو یا نہ ہو لیکن لومڑی بی اور ان کے بچوں کو یہ خلل برداشت نہیں ہوتا تھا۔

آخر کار آج غصے میں بول ہی پڑیں۔

”ہم اپنے بچوں کو پڑھائیں یا نہ پڑھائیں۔

فرح خان



بھالو میاں کون ہوتے ہیں ۔ہماری نیند میں خلل ڈالنے والے؟ مرغ میاں کم تھے جو تم بھی ٹپک پڑتے ہو۔۔۔''

بھالو میاں کہتے ہیں، صبح اٹھنے میں برکت ہے۔روز صبح کی سیر کو عادت بناؤ تا کہ چاک و چوبند رہ سکو۔۔۔

''بس کردو۔۔۔۔۔!'' لومڑی بی کان پر ہاتھ رکھ کر چلائی لیکن گدھے میاں خاموش نہ ہوئے اپنی بات پوری کر کے دم لی اور چلے گئے۔

☆☆☆☆☆

ادھر گلہری کی بیٹی مونو کو بھی تعلیم کا شوق ہو چلا تھا کہ اب وہ بھی بھالو میاں کی طرح پڑھے گی۔ پھر استانی بن کر جنگل کے باقی باسیوں کو پڑھائے گی۔آخر گلہری نے مونو کی خواہش کو ترجیح دیتے ہوئے اس کا داخلہ کروانے کا سوچ لیا تھا اور صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد مونو کو لیکر گھر سے نکلی ہی تھی کہ راستے میں لومڑی بی سے سامنا ہو گیا جو بڑے غصے میں دکھائی دی۔

پھر بھی معصومیت سے پوچھ بیٹھی کہ''آپ بھی داخلہ کروانے جا رہی ہیں منو لومڑ کا''یہ سننا تھا کہ لومڑی بی کو مزید غصہ آ گیا۔

''کیوں بھئی! میں کیوں اپنے بچے کو داخلہ کراؤں وہ بھی بھالو میاں کے سکول میں۔''

(بھالو میاں کا نام تو انھوں نے قدرے رگڑ کر بولا)

''میں تو بادشاہ سلامت کے پاس شکایت لگانے جا رہی ہوں۔بھالو میاں کی نیت میں مجھے فتور لگتا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ ہم بس ان کے آگے پیچھے لگیں۔''

''بھلا میں کیوں! بھالو میاں کے سکول میں وہ بھی قطار میں لگ کر اپنے بچوں کا داخلہ کراؤں؟کسی صورت بھی نہیں۔''

وہ ناگواری سے بولی۔

''کہیں تم بھی داخلہ تو نہیں کروانے جا رہی۔'' وہ آخر میں شکی نگاہوں سے سوال کر گئی۔

''جی! جی۔۔۔! میری مونو کو شوق چڑھا ہے تعلیم کا۔'' گلہری بی معصومیت سے بولی۔لومڑی بی کو یہ بات خاصی ناگوار لگی۔

وہ کچھ بولتی کہ اتنے میں مرغا اور مرغی بھی اپنے بچے چوزو کو سکول میں داخلہ کروانے کی غرض سے جا رہے تھے۔

لومڑی نے یہ دیکھا تو اس کا غصہ آسمان کو چھونے لگا۔وہ بھلا بھالو میاں کے اس منصوبے کو کیسے کامیاب ہونے دے سکتی تھیں کیونکہ یہ منصوبہ ان کا جو نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

بھالو میاں آج جانوروں کے ہجوم کو حیرانی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے دیکھ رہے تھے۔آخر کار ان کی روز کی محنت رنگ لا گئی تھی جو بھی تھا جانوروں میں ان کی ہفتے بھر کی محنت کے بعد شعور پیدا ہو گیا تھا۔

سب جانور قطار میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے کہ ہم نے اپنے بچوں کو پڑھانا ہے۔ بھالو میاں ہر ایک کا داخلہ کرنے کے بعد والدین کو خوش آمدید کا گلدستہ تھماتے (جو ساتھ ہی گدھے میاں لیکر کھڑے ہوئے تھے)۔ پھولوں کا گلدستہ دیکھ کر جانوروں کے چہرے کھل اٹھتے۔

☆☆☆☆☆

"بادشاہ سلامت! میں آپ کے پاس شکایت لے کر آئی ہوں۔"

"ابھی ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہم اپنے بہادر کا داخلہ کروانے جا رہے ہیں۔"

لومڑی کا منہ کھلا۔ وہ تو شکایت لگانے آئی تھی (یہاں تو سب بھالو میاں کے گن گا رہے ہیں) وہ مزید بولے کہ "بھالو میاں نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ اچھا ہے ہمارے بچوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہوگا کچھ شعور آئے گا۔

سنا ہے انسان کہتے ہیں جانوروں میں شعور نہیں ہے۔ اب ہم بھی کچھ بن کر دکھائیں گے۔" وہ ایک عزم سے بولے اور بہادر کو لیکر چل پڑے۔

ادھر منصوبہ ناکام ہوا تو لومڑی شیرنی کے پاس آئی اور شیرنی بی کو بھالو میاں کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی لیکن شیرنی بی نے صاف صاف خبردار کیا اور کہا کہ والدین استاد کی عزت کریں گے تو ہمارے بچے بھی کریں گے۔

"خبردار! بھالو میاں کے بارے میں کوئی بات نہیں۔" انہوں نے سختی سے منع کیا تو وہ خالی ہاتھ گھر لوٹ گئی۔

لیکن لومڑی بی باز نہ آئی جب کوئی راستے میں بچہ سکول جاتا ہوا دکھائی دیتا تو ان کو کھیل میں لگانے کی کوشش کرتی لیکن وہ اس منصوبے میں بھی ناکام ٹھہری کیونکہ جانوروں میں تعلیم حاصل کرنے کا شعور آچکا تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ روز بھالو میاں کے خلاف کسی نہ کسی جانور کے گھر جا کر کچھ نہ کچھ ضرور بولتی کہ "بھالو میاں کی کوئی چال ہے۔ وہ کچھ اور چاہتا ہے تعلیم تو صرف ایک بہانہ ہے وہ ہمارے بچوں کو بگاڑنا چاہتا ہے۔" لیکن سب کو پتہ لگ چکا تھا کہ یہ لومڑی بی کو بھالو میاں کی تعریف برداشت نہیں ہو رہی تو دراصل یہ ان کی چال ہے کہ وہ چال چل رہے ہیں اور اسی وجہ سے کوئی بھی جانور لومڑی بی کی بات پر کان نہ دھرتا۔

☆☆☆☆☆

ادھر بھالو میاں کو بھی لومڑی بی کی چالوں کا پتہ تھا۔ وہ تو دل سے سب کا بھلا چاہتے تھے ان کے دل میں نہ کوئی لالچ تھا اور نہ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کا بول بالا ہو۔

یہ تو وہ بھی مانتے تھے کہ لومڑی بی سے زیادہ کوئی ذہین اور ہوشیار نہیں۔

ہاں جب کسی کو کوئی مشورہ لینا ہوتا تو بی

لومڑی کے پاس آتا لیکن بھالو میاں کے پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے اب کوئی ان کے پاس نہیں آتا تھا اور کچھ اسی وجہ سے بھی بھالو میاں کا یہ منصوبہ انہیں ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

لیکن جنگل میں تبدیلی آچکی تھی۔ سب جانور صبح جلدی اٹھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ روز سیر کو جانا ان کا معمول بن چکا تھا۔ سوائے لومڑی بی اور ان کے بچوں کے۔

☆☆☆☆☆

ایک دن بادشاہ شیر اور شیرنی گھر میں نہیں تھے۔ جب منو لومڑ اس بات کا فائدہ اٹھا کر ان کے گھر آیا اور ہر چیز کی تلاشی لینے لگا جو چیز پسند آئی اسے چرا کر بھاگ نکلا اور اب یہ منو لومڑ کی عادت بن چکی تھی۔ کبھی کسی گھر سے تو کبھی کسی گھر سے کوئی چیز غائب ہو جاتی۔

اب تو بھالو میاں کا سکول بھی چوری سے نہیں بچ سکا تھا۔ آخر کار روز روز کی چوری سے تنگ آ کر بھالو میاں نے چور کو پکڑنے کا منصوبہ بنایا لیکن لومڑی بی کو بھالو میاں کی برائی سے فرصت ملتی تو کچھ اپنے بچے پر دھیان دیتی۔

☆☆☆☆☆

منو لومڑ ان باتوں سے انجان دوبارہ چوری کرنے کی غرض سے بادشاہ شیر کے گھر گھسا۔ وہ ابھی تلاشی ہی لے رہا تھا۔ جب پیچھے سے کسی نے اسے گردن سے دبوچا۔

شیر گردن سے پکڑ کر اسے گھر سے باہر لے آیا اور پھر غصے میں اسے زمین پر دے مارا۔ وہ آدھ موا سا زمین پہ گرا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

بندر میاں نے ہی درخت کے جھنڈ میں چھپ کر نظر رکھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی منو لومڑ کو دیکھا تو حیرت سے منہ کھلا اور حیرت سے سنبھلتے ہی بادشاہ شیر کو اشارہ کیا وہ جو دوسرے درخت کے پیچھے کھڑے تھے۔

سب جانور بھی چور کی تاک میں الگ الگ جگہ چھپے کھڑے تھے فوراً ہی جمع ہو گئے۔

بی لومڑی ان باتوں سے انجان کھانا ڈھونڈنے نکلی تھی سب جانوروں کا رش دیکھا تو حیرت سے اس طرف چلی آئی تو اپنے بیٹے منو لومڑ کو زمین میں سر جھکائے گہرے گہرے سانس لیتے دیکھا۔ وہ پریشانی میں اس کے پاس آئی اور پوچھنے لگی۔

"ہائے کیا ہوا میرے منو کو؟"

بادشاہ شیر غصے سے دھاڑا۔

"چور ہے تمہارا بیٹا!"

"جب تم اس پر توجہ نہیں دو گی۔ پڑھے گا لکھے گا نہیں سارا دن آوارہ گردی کرے گا تو غلط کام ہی سیکھے گا۔ اس نے نہ صرف ہمارے گھر بلکہ گلہری، بندر حتیٰ کہ بھالو میاں کے سکول میں بھی چوری کی۔

اب بھی ہمارے گھر چوری کرنے کی نیت

سے داخل ہوا تھا۔ہم نے اسے پکڑ لیا۔“

بی لومڑی نے حیرت سے منو لومڑ کو دیکھا جواب بھی گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

”بادشاہ سلامت! مجھے معاف کر دیں۔میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔“منو لومڑ نہایت شرمندگی سے ہکلاتا ہوا صرف یہ بولا۔

لومڑی بی پہلے تو یقین نہیں کر رہی تھی لیکن منو لومڑ کے اپنی زبان سے اعتراف کرنے پر اس کا غرور خاک میں مل گیا۔ادھر بادشاہ شیر بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

آخر کار بھالو میاں کو اس پر رحم آگیا جو اس واقعے میں بالکل خاموش تھے،وہ بولے۔

”بادشاہ سلامت! مجھے لگتا ہے وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہے آپ کو سزا سنانے سے پہلے ایک دفعہ غور کرنا چاہیے!“

بھالو میاں کی اس بات پر سب دوسرے جانور بھی متفق نظر آئے کہ ہاں ہاں ایک موقع لازمی دینا چاہیے۔بادشاہ نے ایک نظر سب جانوروں کو دیکھنے کے بعد شیرنی کو دیکھا جو بھالو میاں کی بات پر متفق نظر آئیں۔بی لومڑی التجائی نظروں سے دیکھ رہی تھیں تو وہ گرج دار لہجے میں بولے۔

”جاؤ معاف کیا۔لیکن آئندہ کے لیے کوئی معافی نہیں“یہ سن کر سب جانوروں کے چہرے پر خوشی چھا گئی۔

☆☆☆☆☆

”اتنی صبح تم کہاں چل دیں؟وہ بھی منو لومڑ کو لے کر!“ اگلے دن بی لومڑی سے گلہری نے پوچھا۔

”بھئی! بھالو میاں کے سکول میں داخلہ کروانے جا رہی ہوں۔مجھے سمجھ آگئی ہے تعلیم ہی ہے جو اچھے بُرے میں فرق سکھاتی ہے۔

تعلیم سے بڑا کوئی زیور نہیں۔“وہ یہ کہتیں منو لومڑ کا ہاتھ پکڑے چل پڑیں۔

☆☆☆☆☆

تو کیا سمجھے بچو! تعلیم کیوں ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ہمیں غلط کاموں سے بچاتی ہے۔منو لومڑ کیسے آوارہ گردی کرتے کرتے چوری کے کاموں میں پڑ گیا اور آخر کار لومڑی بی کی عقل سیدھی ہو ہی گئی کیونکہ وہ اپنے بچے کا مستقبل سنوارنا چاہتی تھی۔ تو اب آپ بھی محنت کرو! پڑھائی سے جی نہ اکتاؤ!

پیارے بچو! آپ کے والدین بھی آپ کا مستقبل سنوارنا چاہتے ہیں۔آپ کو کچھ بنتا دیکھنا چاہتے ہیں تو خوب پڑھو اور اپنے والدین کا نام روشن کرو!

تو بتاؤ کون کون جانا چاہتا ہے بھالو میاں کے سکول؟



راز سربستہ

ابوشفاء



مکہ مکرمہ تاریخ کے آئینے میں

مکۃ المکرمۃ ہمارے لئے ایک مقدس شہر ہی نہیں بلکہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔آج کے راز سربستہ میں ہم مکہ مکرمہ کی چند تاریخی اور قدیم مساجد سے جڑی یادوں کو لے کر حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ان مساجد کا ذکر عام طور پر کتب میں نہیں ملتا اس لئے انہیں شوق سے پڑھیں اور اپنے علم میں اضافہ کریں۔

مکّہ مکرمہ کی تاریخی مساجد

مسجدِ جعرانہ: یہ مسجد مکّہ مکرّمہ سے 22 کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ فتح مکّہ کے سال غزوۂ طائف سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ قیام فرمایا اور عُمرے کا احرام باندھا تھا۔ایک ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھنے والی اس مسجد کی آخری تجدید شاہ خالد کے زمانے میں ہوئی۔



مسجدِ شجرہ:

یہ مکّہ مکرّمہ کے محلّہ حجون میں مسجدِ جن اور معلاۃ قبرستان کے جنوبی دروازے کے دائیں جانب واقع ہے۔ بیت اللہ شریف سے اس کا فاصلہ 700 میٹر ہے۔عربی میں شجرہ درخت کو کہتے ہیں۔حافظ الہیثمی سیدنا عمر فاروقؓ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محلّہ حجون میں تشریف فرما تھے،مشرکین نے آپؐ کی دعوت کو جھٹلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی،”یا اللہ! آج مجھے کوئی ایسی نشانی دکھا دے کہ پھر مجھے کسی کے جھٹلانے کی پروا نہ ہو۔“ حکمِ خداوندی آیا کہ ”درخت کو اپنے پاس بلایئے۔“ تو

وہ درخت چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس جانے کا حکم دیا، تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آج کے بعد مجھے پرواہ نہیں کہ میری قوم مجھے جھٹلائے۔'' (مجمع الزوائد، 10/9)۔



جھنڈے والی مسجد کے نام سے مشہور یہ مسجد بیت اللہ شریف سے معلاۃ قبرستان جانے والے راستے کے بائیں جانب محلہ جودریہ میں واقع ہے۔ مسجدِ حرام سے اس کا فاصلہ 500 میٹر ہے، حضرت عباس ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر ؓ بن عوام کو حکم دیا کہ مکّہ مکرّمہ کے بالائی حصّے پر محلّہ حجون میں عَلم نصب کیا جائے۔ حضرت زبیر بن عوام ؓ، فتح مکّہ کے موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عَلم بردار تھے، چناں چہ انہوں نے وہاں جھنڈا نصب کیا۔ (تاریخِ طبری، 396/1)۔ تیسری صدی ہجری میں حضرت عباس ؓ کے پوتے حضرت عبداللہ ؓ نے اس جگہ مسجد تعمیر کروادی۔ 1404 ہجری میں شاہ فہد نے اس کی تعمیر وتجدید کروائی، یہ مکّہ مکرّمہ کی خُوب صُورت مساجد میں سے ایک ہے۔



اسے ''مسجدِ عائشہ ؓ'' بھی کہتے ہیں۔ اس کا فاصلہ حرم شریف سے 5.6 کلومیٹر ہے۔ حجۃ الوداع 10 ہجری کو حضرت عائشہ ؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر یہاں سے احرام باندھ کر عُمرہ ادا فرمایا تھا، اس وقت اس مسجد میں پندرہ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔



یہ مسجد جمرہ عقبہ سے تقریباً 300 میٹر کے فاصلے پر پہاڑ کی گھاٹی میں ہے۔ یہ اس مقدّس جگہ قائم ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ سے ہجرت سے قبل انصارِ مدینہ سے بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ لی تھیں۔ مسجد اپنی قدیم شکل میں برقرار ہے۔ اس کی موجودہ تعمیر 1250 ہجری میں سلطنتِ عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید نے کروائی تھی۔

مسجدِ جن:



یہ مکّہ مکرّمہ کے قدیم قبرستان ”جنّت المعلیٰ“ سے جنوب مشرق میں جحون پُل کے قریب واقع ہے۔ مسجدِ جن کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ جس وقت جنّات کی جماعت نے آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی، اُس وقت آپ ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے زمین پر دائرہ بنا کر اُنھیں اس کے اندر رہنے کی تلقین فرمائی تھی۔ اس سے قبل طائف سے واپسی پر بھی کچھ جنّات نے آپ ﷺ سے ملاقات کی تھی۔

مسجدِ اجابہ:



یہ حرم شریف سے جنّت المعلیٰ جاتے ہوئے چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں نماز ادا فرمائی تھی۔ شاہ فہد نے اپنے دَور میں اس مسجد کی تعمیرِ نَو اور توسیع کروائی۔

مسجد خالد بن ولیدؓ:



فتح مکّہ کے موقعے پر آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو مکّہ مکرّمہ کے نشیبی علاقے سے شہر میں داخل ہونے اور آبادی کے شروع میں اسلامی جھنڈا نصب کرنے کی ہدایت کی۔ چناں چہ مکّہ میں داخل ہوتے وقت انھوں نے جہاں جھنڈا نصب کیا تھا، وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی۔ محلّہ حارۃ الباب میں یہ مسجد ربع الرسام کے مقام پر واقع ہے۔ زمانۂ قدیم میں جدّہ کی سمت سے مکّہ مکرّمہ میں داخل ہونے کے لیے یہاں ایک دروازہ تھا، جہاں سے تجارتی سامان پر محصول وصول کیا جاتا تھا، لہٰذا اس دروازے سے متصل محلّے کا نام حارق الباب مشہور ہوگیا۔ اور جہاں ٹیکس وصول کیا جاتا تھا، وہ جگہ ربع الرسام کے نام سے معروف ہوگئی۔

مسجدِ ذی طوی:



ذی طوی، مکّہ مکرّمہ کی ایک پرانی وادی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب حج کے لیے تشریف لائے تھے تو آپ ﷺ نے اس وادی میں قیام

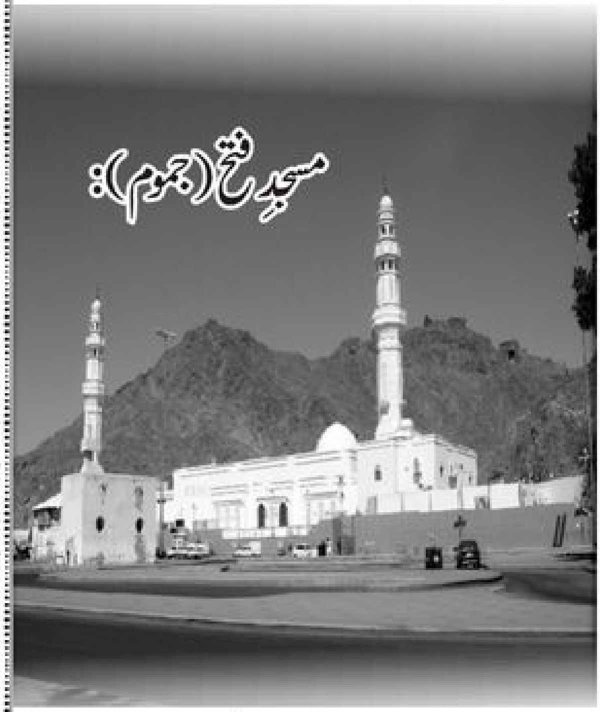
فرمایا اور بعد نمازِ فجر آپ ﷺ مکّہ مکرّمہ تشریف لے گئے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا۔ وہ رات ذی طوی میں قیام فرماتے، صبح نمازِ فجر کے بعد مکّہ مکرّمہ تشریف لے جاتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج حدیث 1574)۔ اُس زمانے میں یہاں "بئرِطوی" نامی ایک کنواں تھا، مسجد ذی طوی ماضی قریب تک موجود تھی، لیکن دیواریں بوسیدہ ہوجانے کی وجہ سے منہدم ہوگئی، مگر کنواں محلّہ جرول میں موجود ہے۔



یہ مسجد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اُس مکان میں واقع تھی، جہاں سے آنحضرت ﷺ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

یہ گھر محلّہ مسفلہ میں واقع تھا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے گھر کے اندر ہی ایک جگہ عبادت کے لیے مخصوص کردی تھی۔

علّامہ قطب الدینؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مسجد اُس زمانے میں "دارالہجرت" کے نام سے مشہور تھی۔ علّامہ ابن جبیرؒ نے "ابن جبیر" میں لکھا ہے کہ "شہر کے منتہیٰ میں خرما، انار، عناب اور حنا کے سرسبز وشاداب باغات کے درمیان یہ مسجد واقع تھی۔ اور یہ صدیق اکبرؓ کا گھر تھا۔"



8 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ فتح مکّہ کے لیے تشریف لے گئے، تو آپ ﷺ نے مکّہ مکرّمہ کے شمال میں 25 کلو میٹر کے فاصلے پر وادیٔ مرّ الظہران سے ایک منزل پہلے جموم کے مقام پر قیام فرمایا۔

یہاں بنوسلیم کا قبیلہ آباد تھا۔ یہاں آپ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائیں۔

چنانچہ اس جگہ مسجد تعمیر کردی گئی، جو مسجدِ فتح کے نام سے مشہور ہوئی۔

مدینہ منورہ روڈ، طریق ہجرہ سے اس کا سفید مینار نظر آتا ہے۔

حضرۃ مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ



انوارات

اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں ’’رمضان المبارک‘‘ کا مہینہ نصیب فرمایا...... ’’رمضان‘‘ کے معنیٰ ہیں ’’گناہوں کو جلانے والا‘‘...... یعنی یہ مبارک مہینہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک صاف کر دیتا ہے...... یاد رکھیں ’’رمضان المبارک‘‘ صرف گناہوں کو نہیں جلاتا بلکہ گناہوں کے ساتھ ساتھ ہمارے کئی دشمنوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیتا ہے......

بیماریوں کو جلانے والا

زیادہ کھانے کی وجہ سے انسان کے جسم میں کئی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں...... خصوصاً جو لوگ انگریزوں کی طرح ہر گھنٹے یا آدھے گھنٹے بعد کچھ نہ کچھ ضرور کھاتے ہیں اُن کے جسم میں بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں...... اور اکثر بیماریاں ایک سال کے عرصے میں جڑ پکڑتی ہیں اور مضبوط ہوتی ہیں...... رمضان المبارک کا مہینہ آتے ہی مسلمان روزہ رکھتے ہیں...... اس روزے کی وجہ سے وہ بارہ تیرہ گھنٹے بھوکے پیاسے رہتے ہیں...... اُن کے جسم میں جو بیماریاں ہوتی ہیں اُن بیماریوں کے جراثیم اور کیڑوں کو ہر گھنٹے بعد خوراک کی ضرورت ہوتی ہے...... روزے کی وجہ سے ان کیڑوں کو خوراک نہیں ملتی تو وہ پہلے کمزور ہوتے ہیں اور پھر بالآخر مر جاتے ہیں......

اور یوں مسلمان کا جسم بہت سی بیماریوں سے پاک ہو جاتا ہے...... انسان کے پاس جو مال یا زیور ہوتا ہے اُس کو بھی بیماری لگتی ہے اور اگر ایک سال گزر جائے تو وہ بیماری پکّی ہو جاتی ہے......

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نظام عطاء فرمایا...... چنانچہ

جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ مال پاک اور صحت مند ہو جاتا ہے اور بہت تیزی سے بڑھتا ہے......

اسی طرح رمضان المبارک کے روزے انسان کے جسم کی زکوٰۃ ہیں...... بہت بڑی بڑی بیماریاں ان روزوں کی برکت سے دم توڑ دیتی ہیں......ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ رمضان المبارک کے روزے بہت سلیقے، اہتمام اور آداب کے ساتھ رکھیں...... تاکہ ہماری روح اور ہمارا جسم بیماریوں سے پاک ہو جائے...... اسی طرح ہمیں چاہئے کہ ہر مہینے میں تین روزوں کا اہتمام کیا کریں تاکہ......ہمیں تقویٰ کی نعمت نصیب رہے......

بڑی مصیبت کو بھلانے والا

قرآن پاک کو ''حفظ'' کر کے بھلا دینا ایک بڑی اور سخت مصیبت ہے...... شیطان پورا سال مسلمانوں پر سستی اور غفلت کے پردے پھینکتا رہتا ہے تاکہ وہ قرآن پاک سے غافل ہو جائیں...... شیطان جانتا ہے کہ اگر مسلمان کا قرآن پاک سے تعلق رہے تو اس کو ناکام کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے......

''حفظ قرآن'' بہت بڑی سعادت ہے......ہم چند دن بعد مر جائیں گے......اور پھر برزخ کی زندگی شروع ہو جائے گی...... اس میں قرآن پاک بہت کام آتا ہے...... چند دن پہلے ایک مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا...... وہاں دیکھا کہ ایک بڑی عمر کے بزرگ زبانی تلاوت فرمار ہے ہیں...... پھر کچھ نوجوان اُن کو اپنی منزل سنانے لگے...... وہ نابینا بزرگ زبانی سنتے رہے...... میرے دل سے آواز آئی کہ دیکھو! آنکھوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا مگر قرآن پاک نے ساتھ نہیں چھوڑا......مرنے کے بعد بھی سب کفنا دفنا کر بھاگ جائیں گے تب قبر میں قرآن پاک تشریف لے آئے گا......اور پھر آخرت کی ابدالآباد والی زندگی میں بھی قرآن پاک بہت کام آئے گا......مگر افسوس کہ بہت سے لوگ پورا قرآن پاک...... یا اُس کی کچھ سورتیں یاد کر کے پھر اُسے بُھلا دیتے ہیں...... یہ بہت سخت مصیبت ہے اور کئی علماء کرام نے اس کو کبیرہ گناہ لکھا ہے......

الحمدللہ رمضان المبارک آتے ہی شیطانی سُستی کے رسّے جل جاتے ہیں...... رمضان المبارک کا قرآن پاک سے عجیب تعلق ہے......اس مہینے میں قرآن پاک کو پڑھنا اور یاد کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے......ساری دنیا مانتی ہے کہ موسم کا اثر ہوتا ہے......آم گرمی کے موسم میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ مالٹے سردی کے موسم میں......پس رمضان المبارک بھی قرآن پاک کا موسم ہے......اگر رمضان المبارک نہ آتا تو بہت سے لوگوں کے لئے قرآن پاک یاد رکھنا مشکل ہو جاتا......تراویح کی ترتیب قرآن

پاک کے حفظ کے لئے بہت مفید ہے......سب حفاظ کو چاہئے کہ کسی سال بھی تراویح میں قرآن پاک سنانے کا ناغہ نہ کریں......اور جو حفاظ قرآن پاک بھول چکے ہیں وہ دل میں درد بھر کے اس رمضان المبارک میں خوب دعاء کریں......اور آج ہی سے دوبارہ یاد کرنا شروع کردیں......دنیا کے سارے کام بعد میں ہوجائیں گے مگر قرآن پاک رہ گیا تو بہت بڑا خسارہ ہوجائے گا......اللہ پاک ہم سب کو قرآن پاک کے حفظ کی نعمت نصیب فرمائے......

خباثتوں کو جلانے والا

شیطان چاہتا ہے کہ ہم سب کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے......اسی لئے وہ ہمارے نفس میں تکبر، ریاکاری، اور مال کی محبت جیسے زہر بھرتا ہے......رمضان المبارک کی ترتیب میں ان تمام بیماریوں کا علاج موجود ہے......آپ سب جانتے ہیں کہ ہر علاج میں تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) دوا (۲) پرہیز (۳) مشقت یا ورزش......ہر حکیم اور ڈاکٹر مکمل علاج کے لئے کچھ دوا دیتا ہے، کچھ پرہیز بتاتا ہے اور کچھ ورزش وغیرہ کی تلقین کرتا ہے......

رمضان المبارک میں روزہ ہے جو دواء بھی ہے اور پرہیز بھی......اور رمضان المبارک میں تلاوت ہے جو ہر مرض کی دواء ہے......اور رمضان المبارک میں تراویح ہے جو نفس کے لئے ایک طرح کی مشقت ہے......قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ہر روحانی اور ہر جسمانی بیماری کی شفاء رکھی ہے...... رمضان المبارک میں اگر آپ روزانہ دس پارے پڑھتے ہیں تو آپ کو اربوں کھربوں نیکیاں تو ملتی ہیں......اُس کے ساتھ قرآنی آیات سے علاج بھی چلتا رہتا ہے......

روزے میں جب بھوک اور خستہ حالی پیدا ہوتی ہے تو تکبر ٹوٹتا ہے......اور نفس میں سے حرص اور لالچ ختم ہوتی ہے......رمضان المبارک کا مکمل نصاب ہم سب کے لئے بہت بڑی نعمت ہے......مگر اکثر مسلمانوں کو رمضان المبارک گزارنے کا طریقہ نہیں آتا...... میری آپ سب سے درخواست ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا کتابچہ ''فضائل رمضان'' ایک بار پڑھ لیں...... یہ فضائل اعمال کا حصّہ ہے اور الگ بھی ملتا ہے......انشاء اللہ رمضان المبارک کو پانے اور کمانے کا سلیقہ معلوم ہوجائے گا......دیر نہ کیجئے رمضان المبارک کے دن تیزی سے گزرتے جارہے ہیں......

دشمنوں کو جلانے والا

شیطان ہمیشہ باطل قوتوں کو مزید قوت فراہم کرتا رہتا ہے......لوگ کہتے ہیں کہ امریکہ کو ایٹمی ٹیکنالوجی باقاعدہ شیطان نے فراہم کی......واللہ اعلم بالصواب......بہر حال یہ بات تو قرآن پاک سے ثابت ہے کہ شیطان کافروں کی بھرپور جنگی مدد کرتا ہے...... اور اُن کو مسلمانوں سے لڑانے پر

اُکساتا ہے...... مگر رمضان المبارک آتے ہی سرکش شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں...... تب مسلمان جہاد میں بہت بڑی کامیابی حاصل کرتے ہیں...... غزوہ بدر کی فتح رمضان المبارک میں ہوئی...... اُس رمضان نے مشرکین مکہ کی بڑی طاقت کو جلا کر راکھ کر دیا...... پھر مکہ مکرمہ کی ''فتح اعظم'' بھی رمضان المبارک میں ہوئی...... موسم کا بہت اثر ہوتا ہے...... رمضان کا موسم اسلام کی فتح کا موسم ہوتا ہے...... ابھی تھوڑی دیر پہلے میں خبریں سن رہا تھا تو بی بی سی والوں نے بتایا کہ...... افغانستان میں نیٹو افواج کے سربراہ نے صدر اُبامہ کو لکھ دیا ہے کہ ہم افغانستان میں ناکام ہو چکے ہیں...... اُدھر امریکہ میں تازہ سروے کے مطابق ملک کی اکثر آبادی افغانستان میں امریکی جنگ کی مخالف ہو چکی ہے...... ماشاء اللہ آٹھواں رمضان المبارک جا رہا ہے...... قندھار سے خوست تک...... اور جلال آباد سے کابل تک مجاہدین کے جھنڈے لہرا رہے ہیں...... غیر ملکی افواج کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ چکی ہے مگر اس کے باوجود نیٹو کا ہیڈ کوارٹر تک مجاہدین کے حملوں سے محفوظ نہیں ہے...... یہ سب اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اس میں ایمان والوں کے لئے ...... اور عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں......

ایک ارادہ

انشاء اللہ رمضان المبارک کے بعد ارادہ ہے کہ...... مرکز عثمانؓ و علیؓ بہاولپور میں اُن حفاظ کے لئے تین ماہ کی کلاس رکھی جائے...... جو بد نصیبی سے قرآن پاک بھول چکے ہیں...... آپ سب دعاء کر دیں کہ ...... یہ ترتیب آسان ہو جائے اور کامیاب رہے...... تین ماہ کا عرصہ حفظ کی تجدید کے لئے بہت ہوتا ہے...... اور ماحول کی برکت سے مزید آسانی بھی ہو جاتی ہے......

ایک دعوت

جامع مسجد عثمانؓ و علیؓ بہاولپور میں اس سال بھی انشاء اللہ ...... آخری عشرے کا اعتکاف ہو گا...... اس اعتکاف میں اُمت مسلمہ کے غازی، فاتح اور مستقبل کے شہداء بھی شرکت فرماتے ہیں...... اور بہت سے اہل علم، اللہ والے بھی تشریف لاتے ہیں...... اس اعتکاف میں پورے دین کی بات کی جاتی ہے اور مردہ جذبوں کو زندگی ملتی ہے...... پچھلے سال چار سو سے زائد خوش قسمت افراد نے یہ سعادت حاصل کی...... اس سال وسیع پیمانے پر انتظام کیا جا رہا ہے...... اللہ تعالیٰ توفیق دے تو روشنی کے اس جزیرے پر ضرور تشریف لائیں......

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا کثیرا

☆......☆......☆



میمونہ ارم مونشاہ

سفید مور کی وادی

ایک دفعہ کا ذکر ہے جنگل میں قحط پڑ گیا۔ جس کی وجہ سے تمام پرندے اور جانور بہت پریشان تھے۔ وہ جیسے تیسے گزارہ کر رہے تھے کچھ نے تو جنگل چھوڑ کر کسی نئی جگہ رہائش اختیار کر لی تھی۔

چلبل خرگوش کے گھر میں بھی اناج ختم ہو گیا تھا۔ اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

ایک دن وہ بھالو میاں کی دکان پر گیا اور اس سے کھانے کی چیزیں اور کچھ بیج خرید کر لایا اور گھر آ کر وہ سب بیج چھوٹی سی کیاری میں لگا دیئے۔ اپنے پینے اور پودوں کو دینے کے لیے وہ روز ایک ندی سے پانی لایا کرتا لیکن اب ندی بھی سوکھ گئی تھی، وہ بہت اداس تھا۔

”بھالو میاں! جنگل میں آئے اس قحط سے سب کو پریشانی کا سامنا ہے۔ اب تو پیاس بھی نہیں بجھ پاتی۔ کیا یہاں آس پاس کہیں پانی موجود ہے؟“

ایک دن وہ بھالو میاں کی دکان پر آیا اور ان سے پوچھا:

بھالو میاں باقی سب سے عمر میں بڑے تھے۔ تمام جانور اور پرندے ان سے مشورہ کرنے آیا کرتے۔ چلبل کی بات سن کر انھوں نے اپنا چشمہ ٹھیک کیا اور کھنکارتے ہوئے کہنے لگے۔

”کیا کہوں چلبل بیٹا! میری تو اپنی دکان میں

سے راشن ختم ہونے کو ہے۔خدا جانے یہ آزمائش کب پوری ہوگی لیکن میں ایک ایسی جگہ جانتا ہوں جہاں جنگل کے باشندوں کو پینے کے لیے صاف پانی مل سکتا ہے۔پر اسے حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے"

بھالو میاں کی بات پر چلبل نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ پانی ہے تو مل کیوں نہیں سکتا؟"

اس نے بھالو میاں سے سوال کیا۔

"وہ اس لیے جس وادی میں وہ گہری ندی موجود ہے وہاں ایک سفید مور رہتا ہے جو بہت مغرور اور بدتمیز ہے۔وہ کسی کو بھی اس جگہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتا۔پانی لینا تو دور کی بات ہے"

بھالو میاں نے سنجیدگی سے کہا۔

"جنگل کے تمام جانور اور پرندے آپس میں مل جل کر رہتے ہیں پھر مور ایسے کیوں کرتا ہے؟ جان کر حیرت ہوئی۔آپ مجھے بتائیں وہ وادی جنگل کے کس طرف واقع ہے؟"

چلبل نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ جنگل کے شمال کی جانب ہے۔سنہری چڑیا کو وہاں کے راستے کا علم ہے وہ اکثر سفید مور سے نظر بچا کر وہاں جاتی رہتی ہے کیونکہ اسے لگتا ہے پانی میں اپنا عکس دیکھنے سے اس کی خوبصورتی بڑھتی ہے۔"

بھالو میاں نے اسے بتایا۔

"خیر میں کچھ سوچتا ہوں کیونکہ پانی تو ہم سب کے لیے بہت ضروری ہے"

وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے بھاگتا ہوا نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور بھالو میاں بھی اپنے اگلے گاہک کو راشن دینے میں مصروف ہوگئے۔

☆......☆......☆

چلبل نے اپنے گھر آنے کی بجائے سنہری چڑیا کے گھر کی جانب قدم بڑھائے۔حسین سی چڑیا گھونسلے میں بیٹھی اداسی سے کچھ سوچ رہی تھی۔

"السلام علیکم! چڑیا بہن آپ کیسی ہیں؟"

چلبل اجازت مانگتا ہوا چڑیا کے گھونسلے کے قریب ایک شاخ پر چڑھ گیا۔

"وعلیکم السلام! بس چلبل بھائی... اس قحط نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔میری بہن چڑیا کے دو بچے بھوک اور پیاس سے مر گئے ہیں وہ بہت غمگین ہے۔میں اسے اپنے گھونسلے میں بھی نہیں لا سکتی کیونکہ میرے پاس بھی کھانے کو کچھ نہیں ہے۔اب تو درخت اس قدر سوکھ گئے کہ لگتا ہے گھونسلا کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔"

چڑیا نے اپنے گھونسلے کو دیکھ کر افسردگی سے کہا:

"میری اچھی بہن! آپ پریشان مت ہوں۔

میں پانی حاصل کرنے کی کوشش میں ہوں آپ بس مجھے سفید مور کی وادی تک پہنچنے میں مدد کریں“

چلبل کی اس بات پر سنہری چڑیا نے چونک کر اسے دیکھا۔

”لیکن وہ تو.......“ اس کی بات ابھی مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ چلبل نے جلدی سے کہا۔

”ہاں میں سب جانتا ہوں اس کے باوجود میری آپ سے درخواست ہے آپ مجھے وہاں تک جانے کا راستہ بتادیں“

چلبل نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔میں آپ کو وہاں لے جاتی ہوں“ سنہری چڑیا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔کچھ دیر میں وہ دونوں ایک اونچی جگہ پہنچ گئے جہاں سے وہ وادی پوری طرح دکھائی دے رہی تھی۔

”واؤ! یہ جگہ کس قدر حسین ہے“

بہتے پانی کی ندی اور سرسبز و شاداب پیڑ پودے دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہوئے۔

”ہمیں اب نیچے جانا چاہیے“

خرگوشی نے خوشی سے کہا۔جیسے ہی وہ پہاڑی سے نیچے اترنے لگا اچانک ایک بڑی جسامت کا سفید مور اس کے سامنے آگیا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی؟“

مور نے سخت لہجے میں اس سے سوال کیا۔

”آداب مور بھیا! کیسے مزاج ہیں؟“

چلبل نے اس کے رویے کو نظرانداز کرتے ہوئے فراخ دلی سے پوچھا۔

”ممم...میں ٹھیک ہوں برخوردار!“

مور نے ناک سکوڑتے ہوئے جواب دیا۔

”میں نے آپ کی رنگت کی تعریف تو بہت سنی تھی لیکن مجھے معلوم نہیں تھا آپ ان باتوں سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں“

چلبل واقعی مور کو دیکھ کر حیران تھا۔اس کا اپنا رنگ بھی خاصا سفید تھا لیکن اس قدر اجلا اور شفاف رنگت کا کوئی پرندہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

”تم نے میرے بارے میں یقیناً یہی باتیں سنی ہوں گی کہ میں اچھا نہیں ہوں“

مور کے کہنے پر سنہری چڑیا اور چلبل خرگوش دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”آپ کی برائی ہم نے کہیں بھی نہیں سنی۔یہ ضرور سنا کہ آپ اس خوبصورت جگہ کے محافظ ہیں“

دونوں نے بیک وقت کہا۔ان کی بات سن کر مور کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”دیکھا! اسی لیے تو میں یہاں کسی کو آنے نہیں دیتا کہ اس وادی کی خوبصورتی پر کوئی فرق نہ پڑے۔ورنہ جنگل کی حالت تو تم سب نے نہایت ہی خراب کر دی ہے“ سفید مور نے غصے سے کہا۔

”دیکھیں پیارے بھیا! اگر خوراک اور پانی کی قلت کا الزام آپ جنگلی باشندوں کو دے رہے ہیں تو

یہ درست نہیں ہے۔ یہاں قحط پڑا ہے جنگلی جانور اور پرندے تو خود کھانے پینے کو محتاج ہو گئے ہیں۔ آپ ایک اچھی جگہ رہتے ہیں سکھی ہیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے نا کہ غصہ"

سنہری چڑیا نے نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ سفید مور جو پہلے ہی ان دونوں کے اچھے رویے سے متاثر ہوا اس نے پہلی بار جنگل کی حالت کو سنجیدگی سے لیا۔

"دیکھنے میں تو تم چھوٹی سی ہو لیکن باتیں تو گہری کرتی ہو اور خرگوش میاں! مجھے تم بھی پسند آئے"

پہلی بار سفید مور نے کسی سے مسکرا کے بات کی تھی.....

"اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں بھیا! اصل میں جو بھی یہاں آیا۔ آپ کے سخت لہجے سے تنگ آ گیا اور اس نے بھی جواباً ایسا لہجہ اپنایا۔ انہیں سمجھنا چاہیے تھا آپ اس جگہ کے پہرہ دار ہیں یقیناً اچھا ہی چاہیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا نتیجتاً آپ نے انہیں یہاں سے بھگا دیا لیکن ہماری باتوں کو آپ نے آرام سے سنا اور ثابت کر دیا آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔"

چلبل خرگوش نے کہا جس پر سفید مور نے خوشی سے پنکھ پھیلائے۔

"مگر آپ کو بھی سمجھنا چاہیے کہ پہلی ملاقات پر کسی سے اتنی بے رخی سے بات نہیں کرتے۔ آپ بہت اچھے ہیں لیکن آپ کے غصے کی وجہ سے بہت سے جانور اور پرندے آپ سے بات کرنے سے بھی گھبراتے ہیں۔ اس لیے کوشش کریں ہمیشہ سامنے والے سے پیار سے بات کریں دیکھنا پھر آپ کو اکیلا بھی نہیں رہنا پڑے گا"

سنہری چڑیا کے ایسا کہنے پر سفید مور نے اپنا سر جھکا لیا۔

"میرے عزیز ساتھیو! تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں اپنی غلطی مانتا ہوں" اس نے دھیرے سے کہا۔

"تو کیا اب ہم یہاں سے پانی لے جا سکتے ہیں؟؟؟"

چلبل خرگوش نے بتیسی نکالتے ہوئے کہا۔ جس پر سنہری چڑیا نے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کو یقین تھا اب کی بار سفید مور انکار نہیں کرے گا۔ اور ایسا ہی ہوا پھر جتنے دن جنگل میں قحط رہا سفید مور نے جنگل کے تمام باشندوں کو خوراک اور پانی مہیا کیا۔ کچھ عرصے بعد جنگل پھر سے ہرا بھرا ہو گیا۔

اب چلبل کے آنگن میں بھی بیشمار پھل اور سبزیاں اگ آئے تھے جنہیں وہ باقی سب کو بھی دیا کرتا.....

سفید مور کی وادی میں خوب چہل پہل رہنے لگی تھی۔ وہ کبھی کبھار جنگل آیا کرتا جہاں اس کے بیشمار دوست بن گئے تھے۔

☆......☆......☆



منی بکس

ابن دین محمد

نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد جیسے ہی عمار اپنے گھر والی گلی میں مڑا تو حیران رہ گیا۔ سامنے ہی شعیب اسکول کی وردی میں ملبوس چلا آ رہا تھا۔ اس کی کمر پر بھاری بھرکم بستہ بھی جھول رہا تھا۔ سخت سردیوں کے دن تھے اور شعیب نے سردی سے بچنے کے لیے برائے نام ہی انتظام کر رکھا تھا۔

عمار کے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی اور اسے سردی پہلے کی نسبت زیادہ محسوس ہونے لگی۔ شعیب اب قریب آ چکا تھا۔

''ارے بھائی! اتنی سردی میں صبح سویرے کہاں جا رہے ہو؟'' عمار نے پوچھا۔

''السلام علیکم بھائی! اسکول جا رہا ہوں۔'' شعیب نے جواب دیا۔

ساتھ ہی عمار نے محسوس کیا کہ اس کی آواز سردی کی شدت کی وجہ سے کپکپا رہی ہے۔ عمار کو یہ بھی افسوس ہوا کہ اُسے گفتگو کا آغاز سلام سے کرنا چاہیے تھا۔

''وعلیکم السلام! بھائی! وہ تو سکول کی وردی اور کمر پر جھولتا ڈھائی من کا بستہ بھی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ہم سکول جا رہے ہیں مگر بندہ خدا! ابھی ابھی تو فجر کی نماز ہوئی اور تم سکول بھی جا رہے ہو؟'' عمار حیران ہو کر بولا۔

''بھائی! میرا اسکول دور ہے نا! اس لیے میں جلدی جا رہا ہوں۔''

''لیکن سکول لگنے میں دو گھنٹے رہتے ہیں۔ ویسے بھی تم وین پر جاتے ہو وین کے آنے میں بھی ایک گھنٹہ رہتا ہے۔'' عمار نے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

جواب میں چند لمحے شعیب خاموش رہا اور خلا تکنے لگا۔ شعیب کی طرف سے جواب نہ ملنے پر عمار نے دوبارہ پوچھا۔

''پھر کیوں اتنا جلدی جا رہے ہو؟''

چند لمحے شعیب اُس کا منہ تکتا رہا پھر بولا۔

''میرے ابا جان! پچھلے ماہ سے بیمار ہیں اور وہ

کام پر نہیں جا رہے جس کی وجہ سے اس ماہ میں وین کی فیس ادا نہیں کر سکا تو دین والے نے مجھے پک کرنا چھوڑ دیا ہے۔'' شعیب نے اصل وجہ بیان کی۔

یہ سن کر عمار کا سر احساس ندامت سے جھک گیا۔ دیوار بہ دیوار ہونے کے باوجود عمار شعیب کے گھر کے حالات سے غافل تھا۔ عمار نے شعیب کا جائزہ لیا تو اسے ایک اور جھٹکا لگا۔ شعیب کا ننھا سا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کے بند جوتے جو صرف نام کے بند جوتے تھے ورنہ اکثر جگہوں پر ہوا دار روشن دان لگے ہوئے تھے۔ جہاں سے سردی بڑی دلیری سے داخل ہو رہی تھی۔ شعیب کے جسم پر جو کوٹ تھا اس میں اس کا جسم بہ مشکل سمایا ہوا تھا، ایسے لگ رہا تھا جیسے یہ کوٹ چار سال پرانا ہو۔

''اچھا بھائی! میں چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے۔'' شعیب مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا تو عمار خیالات کی دنیا سے باہر آیا اُس نے بھی ہاتھ آگے بڑھایا۔

عمار کو یوں لگا جیسے اُس نے کسی انسان سے نہیں بلکہ کسی برف سے مصافحہ کیا ہو۔ شعیب مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا جبکہ عمار چند لمحے وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔

عمار گھر آیا تو اپنے کمرے میں گھس گیا اور چیزیں اِدھر اُدھر کر کے کوئی چیز ڈھونڈنے لگا۔ مگر کافی دیر گزرنے کے بعد بھی وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

''عمار بیٹا! کھانا لگ گیا ہے۔'' اسے اپنی امی کی آواز سنائی دی۔

''جی ابھی آیا امی جان!'' عمار نے قدرے بلند آواز سے جواب دیا۔

عین اُسی وقت اسے اپنی مطلوبہ چیز بھی نظر آ گئی۔ عمار نے فوراً وہ چیز اٹھائی اور کندھے پر اوڑھی شال میں چھپا کر دسترخوان کی طرف چل پڑا۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد اُس نے اُس چیز کو اس طرح سے رکھا کہ دوسروں کو نظر تو آئے مگر معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیا ہے۔ سب کی نظریں بار بار اُس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ مگر وہ پوچھنے سے قاصر تھے کیوں کہ کھانے کے دوران باتیں کرنا ادب کے خلاف ہے۔

سب ناشتے سے فارغ ہو گئے تو عمار نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

''میں آپ سب سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''بولو بیٹا! کیا بات ہے؟'' عمار کے ابا جان پیار بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

''جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ سخت سردیوں کا موسم ہے۔'' عمار نے بولنا شروع کیا۔

''اور ہم سب نے سردی کے بچاؤ کے لیے مناسب انتظام کر رکھا ہے جیسے جیکٹ، کوٹ، دستانے، اونی ٹوپیاں، جرابیں اور بند جوتے اور ہم نے اپنی خوراک بھی تبدیل کر دی ہے یعنی اب ہم انڈوں، شہد اور دوسری گرم چیزوں سے ناشتہ کرتے ہیں جبکہ ہمارے آس پاس بہت سے ایسے لوگ ہیں جو سردیوں کا انتظام کرنے سے

قاصر ہیں اور بعض تو سردیوں کی وجہ سے بیمار بھی پڑ گئے ہیں اور شریعت ہمیں اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنے کی تعلیم دیتی ہے۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔'' یہ کہہ کر عمار نے وہ چیز سب کے سامنے کر دی۔

یہ ایک منی بکس تھا جس میں ضرورت کے وقت تمام گھر والے پیسے جمع کرتے تھے۔ اگر ہم سب روزانہ کا یہ معمول بنائیں کہ ہر فرد بیس بیس روپے روزانہ اس میں ڈالے تو چند دنوں تک ہم اچھی بھلی رقم جمع کر لیں گے اور کم از کم ایک غریب کی بہترین سردیاں گزارنے کا انتظام ہو سکے گا۔'' عمار یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ سب گھر تعریفی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''میرے بیٹے نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ یہ کام آج سے اور بلکہ ابھی سے شروع ہوگا'' عمار کے ابا جان یہ کہہ کر اٹھے اور بیس روپے کا نوٹ منی بکس میں ڈال دیا اور ساتھ میں عمار کی کمر تھپکا کر اُس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

باری باری گھر کے سارے افراد اٹھنے لگے اور منی بکس میں اپنا حصہ ڈالنے لگے۔ جب سب افراد اپنا حصہ ڈال چکے تو عمار نے وہ منی بکس گھر کے صحن میں موجود الماری کے اوپر رکھ دیا اور بولا۔

''جس کا جب دل چاہے اور جتنا چاہے اس میں حصہ ڈال سکتا ہے میری طرف سے سب کو اجازت ہے۔'' سب گھر والے اُس کی بات پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ عمار کی محنت رنگ لائی گھر کے سب افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ ڈالا اور صرف چند دنوں میں ہی عمار کے پاس اچھی بھلی رقم جمع ہو گئی۔ عمار سکول جانے کے لیے گھر سے نکلا تو سامنے سے ہی نئی سکول کی وردی، کوٹ اور نئے جوتے میں ملبوس شعیب نئی سائیکل کی سواری کرتا ہوا آ رہا تھا۔

''السلام علیکم بھائی! یہ دیکھو میری نئی وردی، جوتے اور سائیکل۔ اب مجھے سردی بھی نہیں لگتی اور مجھے سکول بھی جلدی نہیں جانا پڑتا۔''

عمار نے محسوس کیا کہ شعیب کی آواز اور اس کا جسم آج بھی کپکپا رہا تھا مگر وہ بخوبی جانتا تھا کہ یہ کپکپاہٹ سردی کی وجہ سے نہیں بلکہ خوشی کی وجہ سے ہے۔ کپکپاہٹ کی بھی اقسام ہوتی ہیں۔ عمار کو یہ بات آج معلوم ہوئی تھی۔

''کل جب میں سکول سے آیا تو امی جان نے بتایا کہ امام مسجد آئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ایک اللہ والے نے یہ وردی اور سائیکل آپ کے بیٹے کے لیے دی ہے۔'' امی جان اس سے پوچھتی رہی ہے کہ اس اللہ والے کا نام کیا ہے مگر انھوں نے نہیں بتایا۔ میری امی نے ان کو بہت ساری دعائیں دی ہیں۔ شعیب بولتا چلا گیا اور عمار شعیب کا معصوم چہرہ تکتا رہا۔

''لفٹ چاہیے بھائی؟'' شعیب نے پوچھا۔

''ہاں! ہاں! کیوں نہیں'' یہ کہہ کر عمار اچھل کر اُس کے پیچھے بیٹھ گیا اور ساتھ میں وہ ایسا منی بکس ہر گھر میں رکھوانے کا عزم کر چکا تھا۔

☆......☆......☆

41



سُلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیر پوری

"نہیں جناب!" نواب ارکاٹ کی تجویز سن کر کرنل اسمتھ درمیان میں بول پڑا۔

"میں اس کی رائے ہرگز نہیں دوں گا۔ حیدر علی ایسا شکار نہیں ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے جال کی طرف چلا آئے۔ اگر اسے کچھ ہو گا تو اس کے جاں نثار پورے مدراس کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے اور ایک انگریز بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

گورنر مدراس نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی اور نواب حیدر علی کے استقبال کے لئے قلعے سے نکل کھڑا ہوا۔ والئ میسور کی فوجیں کوہ سینٹ تھامس کے قریب خیمہ زن تھیں اور یہ جگہ مدراس سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

مدراس میں مقیم تمام انگریزوں پر لرزہ طاری تھا اور انہیں اپنا خوف ناک انجام بہت قریب نظر آ رہا تھا۔ عام شہریوں پر دہشت طاری ہونے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے سب سے زیادہ مضحکہ خیز صورت حال یہ تھی کہ نواب حیدر علی، کونسل کے جن ممبروں سے مذاکرات کرنے ان کے دروازے تک آ پہنچا تھا، وہ اپنے اپنے گھروں اور باغیچوں میں مجرموں اور چوروں کی طرح چھپے ہوئے تھے۔

صرف گورنر مدراس کے حواس باقی تھے کہ وہ سیاست و مصلحت سے کام لیتے ہوئے قلعے سے باہر آیا اور پھر اس نے کوہ سینٹ تھامس پہنچ کر نواب حیدر علی کا پرجوش استقبال کیا۔

"کیا مدراس میں چند معززین شہر کے سوا کوئی اور نہیں رہا؟" نواب حیدر علی اپنے ترجمان کے ذریعے بالواسطہ گورنر مدراس سے مخاطب ہوا۔

والی میسور کے استقبال کے لئے گورنر مدراس کے ساتھ آنے والوں کی تعداد بہت مختصر تھی۔ نواب حیدر علی نے اس طرف اشارہ کیا تھا۔

"وہ نواب کے جاہ و جلال سے ڈرتے ہیں۔"

اگرچہ گورنر مدراس کے دل میں بڑا کینہ تھا لیکن پھر بھی وہ عاجزانہ لہجے میں بول رہا تھا۔

"انہیں اپنی جانوں کا خطرہ ہے۔"

"ہم کوئی بلائے بے درماں تو نہیں کہ ہمارا نام سن کر ہی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔" بظاہر نواب حیدر علی کا لہجہ نرم تھا مگر اس کے چہرے سے فطری جلال نمایاں تھا۔

"اس وقت ہم سفید امن کا لباس پہن کر آئے ہیں، پھر یہ خوف و ہراس کیوں؟"

"آپ کا جبروت شاہی انہیں ان کے گھروں سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔" گورنر مدراس کا لب ولہجہ کچھ اور خوشامدانہ ہوگیا تھا۔ وہ نواب کی زبان سے ایک ایسا اعلان سننا چاہتے ہیں، جس میں ان کی جانوں کے تحفظ کی ضمانت ہو۔

"گورنر! اپنی رعایا کے دلوں سے ہمارا خوف دور کرو!" نواب حیدر علی، مدراس کے معلم اعلیٰ سے مخاطب ہوا۔

"ہم انہیں امان دیتے ہیں۔ جب تمہارے شہر کے باشندے ہمارے روبرو ہوں گے تو وہ ہمیں بہت زیادہ مہربان پائیں گے۔"

والیٔ میسور کی اس یقین دہانی کے بعد گورنر میسور نے اپنے سپاہیوں کو بھیج کر کوچہ بہ کوچہ اعلان کرا دیا جس کے نتیجے میں ہزاروں مدراسی باشندے اس شخص کے دیدار کے لئے راہوں پر کھڑے ہوگئے جو اپنی بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے لئے دشمن کے گھر میں داخل ہوگیا تھا اور مکینوں کی جان و مال کی سلامتی کی ضمانت دے رہا تھا۔

حسین و جمیل فرنگی عورتیں اس مرد جانباز کو ہاتھ ہلا ہلا کر خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ مگر نواب حیدر علی نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ دراصل انگریز خواتین کا یہ اجتماع انگریز افسر کے ایک خفیہ اشارے پر ہوا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا یہ ہوشیار افسر، نواب حیدر علی کے فطری مزاج اور رجحان کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

گورنر مدراس کا خیال تھا کہ نواب حیدر علی بھی عام حکمرانوں کی طرح ایک اوباش انسان ہوگا۔ وہ نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی اور نظام علی خان والی دکن کو بہت قریب سے دیکھ چکا تھا۔ یہ دونوں فرمانروا، حیدر علی سے جنگ کے بدلے قیمتی شرابوں اور خوبصورت لڑکیوں سے دل بہلا رہے تھے۔ اپنی اسی قیاس آرائی کے سبب گورنر مدراس، والی میسور کو بھی کوئی علیحدہ شخصیت تصور نہیں کرتا تھا۔

اس بدگمانی کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ انگریزوں نے مذہبی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کو سیاست سے علیحدہ کر دیا تھا اور وہ اپنی پسند کے نتائج حاصل کرنے کے لئے کسی جھجک کے بغیر قومی وقار اور ناموس کو بھی داؤ پر لگا دیا کرتے تھے۔ گورنر مدراس بھی بڑی تیاری کے ساتھ نواب حیدر علی کی کمزوریوں کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔

بلاشبہ خوب صورت عورتیں اور کیف و نشاط کے ذخیرے نسل آدم کی سب سے بڑی کمزوریاں ہیں۔ گورنر مدراس کے اندازے کے مطابق والیٔ میسور بھی ان ہی کمزوریوں کی زنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔ مگر جب اس فرنگی شاطر نے اپنی آنکھوں سے نواب حیدر علی کی بے نیازی کا یہ منظر دیکھا تو اسے کچھ دیر کے لئے اپنی بینائی پر شک ہونے لگا۔

والیٔ میسور دلکش فرنگی خواتین کے بجائے ان

سانولے اور سیاہ فام ہندوستانیوں کی طرف دیکھ رہا تھا، جو اس کی آمد کے اعزاز میں پُر جوش نعرے لگا رہے تھے۔ کئی بار نواب حیدر علی نے اپنی تلوار لہرا کر مرد باشندوں کے خیر مقدمی نعروں کا جواب بھی دیا۔

انگریز گورنر نے خوبصورت عورتوں کی طرف سے حیدر علی کی اس ادائے بے نیازی کو اس کی ایک سیاسی چال سمجھا مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہوس کار خود غرض تاجر کو کیا معلوم کہ والیٔ میسور حقیقت تو ایک پاکباز انسان تھا۔ گورمدراس نے نواب حیدر علی اور اُس کے امرائے خاص کو قلعہ سینٹ جارج کے سب سے زیادہ آراستہ کمروں میں ٹھہرایا، بڑی پُر تکلف دعوت کی اور کھانے کے بعد نوخیز وحسین انگریز لڑکیوں کو ساقی بنا کر والیٔ میسور کے کمرے میں بھیجا۔ یہ وہ لڑکیاں تھیں جن کا تعلق انگلستان کے غریب خاندانوں سے تھا۔ ان لڑکیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجر اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے بطور خاص ہندوستان لائے تھے۔

یہ ہوش ربا حسن رکھنے والے سنگ مرمر کے زندہ بت بڑے شائستہ، نستعلیق اور عشوہ طراز تھے۔ کمپنی کے سوداگروں نے نواب ارکاٹ والاہ جاہ محمد علی، نواب عبدالحکیم خان، والی شاہ نور اور نظام دکن پر ان سفید فام بتوں کے ناز وادا کا ہنر آزمایا تھا اور وہ سب کے سب اصنام فرنگی کا جلوہ بے حجاب دیکھ کر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔

گورنر مدراس کو یقین تھا کہ اگر نواب حیدر علی بتانِ فرنگ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو سکا تو کم سے کم اپنی توبہ ضرور توڑ دے گا۔ شاہ انگلستان نے کمپنی کے تمام عہدیداروں کو ان ہی ہدایات کے ساتھ ہندوستان بھیجا تھا کہ پہلے مقامی حکمرانوں میں پھوٹ ڈالو، پھر انہیں کیف ونشاط کا عادی بناؤ۔ یہاں تک کہ وہ شراب کے نشے میں اندھے ہو جائیں۔ اس کے بعد ان پر اس طرح حکومت کرو کہ بظاہر وہ تاج وتخت کے مالک نظر آئیں مگر در پردہ سلطنت فرنگ کے زر خرید غلام ہوں۔

شاہ انگلستان کی ہدایات، ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں کے لئے مخصوص تھیں کہ یہ شاہین آسانی سے زیر دام نہیں آتے۔ انگریزوں کا یہ تجربہ بنگال میں صد فیصد کامیاب ہو چکا تھا اور انہوں نے غدار میر جعفر کے ذریعے نواب سراج الدولہ جیسے مرد شجاع کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ پھر جب حیدر علی کی اُبھرتی ہوئی طاقت کی خبریں انگلستان پہنچیں تو گورنر مدراس اور کمپنی کے دوسرے عہدیداروں کو شاہ فرنگ کا ایک مبہم سا پیغام موصول ہوا۔

حیدر علی کو بھی نواب ارکاٹ اور نظام دکن کی صف میں کھڑا کر دو!"

گورنر مدراس نے اپنے آقا کے اس مختصر سے جملے کا مفہوم اس کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ سمجھ لیا تھا اور پھر اس نے نواب حیدر علی جیسے مرد آہن کی توبہ شکنی کے لئے منتخب فرنگی لڑکیوں کو ساقی بنا کر بھیجا۔

والیٔ میسور اس وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو چونک اُٹھا اور پھر ایک ایسا منظر دیکھا جو نواب کے لئے نا قابل برداشت تھا۔ وہ حسین وجمیل لڑکیاں جو باریک کپڑوں میں

ملبوس تھیں، ایک طشت زرنگار اُٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئیں جن میں بلوریں ساغر و صراحی سجے ہوئے تھے۔

''تم کون ہو اور یہ کیا چیز لے کر آئی ہو؟''

حیدر علی گھبرا کر اپنے بستر پر سیدھا ہو گیا۔

ہم آپ کی کنیزیں ہیں اور یہ پرتگال کی بہترین شراب ہے۔ فرنگی لڑکیوں کو اردو زبان اس قدر سکھا دی گئی تھی کہ انہوں نے نواب حیدر علی کی بات سمجھ لی تھی اور والیٔ میسور پر اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیا تھا۔ نواب حیدر علی نے بڑی مشکل سے اپنے غصے کو برداشت کیا۔

''میں تم سے تمہارے اس عمل کی کیا شکایت کروں کہ تم تو گورنر کی بساط کے بہت ناتواں مہرے ہو۔ خدا تمہیں اس شرمناک کاروبار سے نجات دے۔ تم میرے کمرے سے نکل جاؤ اور گورنر کو بھیجو کہ اس نے مجھے بڑی اذیت پہنچائی ہے۔''

جب انگریز لڑکیاں انتہائی بدحواسی کے عالم میں گورنر مدراس کے پاس پہنچیں اور پورا واقعہ سنایا تو چند لمحوں کے لئے اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ مگر عیارِ زمانہ تھا، اس لئے فوراً تیور بدل کر ہنسنے لگا۔ پھر ان آبرو باختہ لڑکیوں کے سامنے اپنی جھوٹی شان دکھانے کے لئے اکڑتا ہوا نواب حیدر علی کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

''تمہیں اب تک یہ پتہ نہیں چلا کہ میں مسلمان ہوں اور یہ تمام چیزیں میرے مذہب میں حرام ہیں؟''

گورنر مدراس سے گفتگو کرتے وقت نواب حیدر علی کا لہجہ تند و تیز ہو گیا تھا۔ گورنر کے ساتھ اس کا خدمت گار خاص، جان رائٹ بھی تھا۔ یہ شخص بڑا ذہین تھا اور ہندوستان کی تمام بڑی زبانوں سے واقف تھا۔ مدراس پہنچنے کے بعد جان رائٹ ہی نواب حیدر علی اور گورنر کے مابین ترجمان کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

جب جان رائٹ نے والیٔ میسور کی گفتگو کا مفہوم انگریزی زبان میں ادا کیا تو گورنر مدراس مسکرانے لگا اور بڑے عیارانہ لہجے میں بولا۔

''اس کا مذہب سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو شاہوں کی روایت ہے اور ہندوستان میں مغل بادشاہ کے زوال کے بعد میں آپ ہی کو شاہ سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ تو ایک حقیر سی تواضع ہے۔ شاید آپ جیسے شاہ کے شایانِ شان نہیں تھی اس لئے بہت ہی معذرت خواہ ہوں۔''

گورنر مدراس نے والیٔ میسور پر بڑا خوفناک وار کیا تھا مگر نواب حیدر علی ایک چٹان کے مانند تھا، جس پر فرنگی تاجر کے لفظوں کا نشتر بے اثر ثابت ہوا۔

''میں اپنے آپ کو خوب سمجھتا ہوں۔''

نواب حیدر علی کے لہجے میں وہی تلخی تھی۔

''آپ شوریٰ کے اراکین کو جمع کریں اور صلح نامے کی شرائط تیار کیجئے! خاطر و مدارات کے اور موسم بھی آئیں گے۔'' یکایک والیٔ میسور کا انداز گفتگو بدل گیا تھا اور اس کے ہونٹوں پر تحقیر آمیز مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

گورنر مدراس بھی اپنے خدمت گار خاص، جان رائٹ کے ساتھ مسکراتا ہوا نکل گیا مگر اس کے زنگ آلود سینے میں نفرت و انتقام کی نئی آگ بھڑک رہی تھی۔

☆......☆......☆

ایک عجیب اور ایمان افروز واقعہ

ابوالہول کی پرہول مہم

آخری قسط

اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دوبارہ دامس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”دامس ابوالہول! اب کیا چاہتے ہو؟“

انہوں نے عرض کیا:

”اے امیر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ ابھی اسی وقت لشکر کو لیکر یہاں سے کوچ کر جائیں اور ایک فرسخ کے فاصلے پر جا کر ڈیرے ڈال دیں، اور ہر سپاہی کو ہدایت کر دیں کہ بہت کم ادھر ادھر چلیں پھریں، جہاں تک ہو سکے چھپے رہنے کی کوشش کریں۔

اور دو قابل بھروسہ لشکریوں کو ہم پر نگران مقرر کر دیں جو پل پل کے حالات اور خبریں آپ تک پہنچاتے رہیں مگر وہ ہر شخص سے پوشیدہ اور چھپے رہیں، اسلحہ اور ہتھیار بھی سوائے ایک خنجر کے بالکل نہ رکھیں، اور نہ ہی ایک جگہ ٹھہریں۔

بلکہ ادھر ادھر علیحدہ علیحدہ پھرتے رہیں، یہی بات ان کے لئے زیادہ مناسب اور بہتر ہے اور ان کی سلامتی کے زیادہ لائق ہے۔“

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً ہی سمجھ گئے کہ یہ شخص نہایت ہی صاحب بصیرت، معاملہ فہم اور ذی رائے شخص ہے، اور دامس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے دور چلے گئے۔

اسلامی لشکر جب کوچ کرنے لگا تو رومی لوگ قلعے کی دیواروں اور فصیلوں پر چڑھ کر دیکھنے لگے اور وہ خوشی سے چیخ رہے تھے اور شادیانے پیٹ رہے تھے۔

دامس نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم



جنگل میں چھپنے کی جگہ تلاش کرو اور تمہارے پاس سوائے تلوار اور ڈھال کے کوئی چیز باقی نہ رہے“

لوگوں نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی، یہ خود بھی کھڑے ہوئے زرہ پہنی، کپڑوں کے نیچے خنجر چھپایا اور توشہ دان لیکر چل پڑے، جب وہ ایک غار کے دہانے پر پہنچے تو اپنے تمام ساتھیوں کو اندر داخل ہونے کا حکم دیا، اور پھر آخر میں خود بھی اس میں داخل ہو گئے۔

جب شام ہوئی تو دامسؓ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

”تم میں سے کون شخص قلعے کی طرف جانے کے لئے تیار ہے؟ تاکہ کوئی خبر معلوم کرے یا کسی کو گرفتار ہی کر کے لائے؟“

ساتھیوں میں خاموشی رہی اور کوئی بھی نہ بولا، آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا، مجھے معلوم ہے کہ تمام آدمی نفس پر بخیل اور موت سے بچے رہنے کی تمنا کرنے والے ہیں۔ چلو میں تم سب کی طرف سے فدیہ ہوں، تم مجھے دیکھتے رہو کہ کس طرح چھپ کر کام کیا کرتے ہیں“

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور تھوڑی دیر کے لئے غائب ہو گئے، کچھ دیر گزری تھی کہ وہ ایک کافر کو پکڑ کر لے آئے، اور اپنی جماعت کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

”جوانانِ عرب! اس شخص کو پکڑو اور قلعے کی خبریں دریافت کرو“

مسلمانوں نے اس سے پوچھ گچھ شروع کی مگر کوئی بھی اس کی زبان نہ سمجھ سکا۔

دامسؓ نے فرمایا:

”اچھا تم یہیں بیٹھے رہو، میں آتا ہوں، اور ایک مرتبہ پھر غائب ہو گئے۔“

کچھ دیر کے بعد ایک دوسرے کافر کو پکڑ کر لے آئے مگر اس نے بھی اسی زبان میں گفتگو کرنا شروع کی جسے مسلمان مطلق نہ سمجھ سکے۔“

دامسؓ نے جب یہ دیکھا تو فرمانے لگے:

”اچھا ٹھہرو! میں کسی اور کو پکڑ کر لے آتا ہوں“

اس مرتبہ وہ چار کڑیل نوجوانوں کو پکڑ کر لے آئے، مگر ان میں سے بھی کوئی عربی نہ جانتا تھا، حضرت دامسؓ ایک مرتبہ پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر تین مشرکوں کو پکڑ کر لے آئے، مگر ان میں سے بھی کوئی عربی زبان سے واقف نہیں تھا۔ دامسؓ نے ناگواری سے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ لعنت فرمائیں ان لوگوں پر کیسی وحشی اور بیہودہ زبان بول رہے ہیں“ یہ کہہ کر ایک مرتبہ پھر اٹھے اور ان سب کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے، اور پھر آدھی رات تک غائب رہے، جب کافی دیر گزگئی اور وہ واپس نہ لوٹے تو ان کے ساتھیوں کو سخت رنج اور افسوس ہونے لگا۔

وہ سمجھ گئے کہ ضرور دشمن ان کی حالت سے خبر دار ہو گیا ہے، اور طرح طرح کے خیالات ان

میں گردش کرنے لگے۔

کوئی کہتا،کہیں وہ گرفتاری ہی نہ کر لیے گئے ہوں،کسی کے ذہن میں ان کی شہادت کا گمان جڑ پکڑنے لگا بلآخر جب نصف رات گزر گئی تو آپ ؓ ایک رومی کو کھینچ کرلاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ مسلمان آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور بے تحاشا دوڑنے لگے پھر آپ ؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر ہونے کی وجہ دریافت کی:

حضرت دامس ؒ فرمانے لگے۔

''میں جب یہاں سے چلا تو مجھے کسی عربی دان کی تلاش تھی پس میں قلعے کی دیوار کے قریب ایک جگہ چھپ کر کھڑا ہو گیا تاکہ کسی عربی بولنے والے کو گرفتار کرسکوں، کافی دیر میں انتظار کرتا رہا، مگر کوئی بھی عربی بولنے والا نہیں ملا بالآخر میں مایوس ہو کر لوٹنے لگا، اسی دوران ایک زور کا دھماکہ ہوا جیسے کوئی شئے اوپر سے گری ہو، میں فوراً ہی اس طرف بھاگا جہاں سے آواز آئی تھی کہ تاکہ ماجرا دیکھوں، ہوا کیا ہے؟ میں نے دیکھا کہ ایک شخص نے قلعے کی فصیل سے اپنے آپ کو گرا دیا تھا، میں فوراً ہی آگے بڑھا اور اسے گرفتار کرلیا۔اب میں تمہارے پاس لیکر آیا ہوں دیکھو تو کون ہے؟''

مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس نے بھی رومی زبان میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔

دامس ؒ فرمانے لگے، اس شخص کے گرنے میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے، تم صبر کرو ان شاء اللہ میں اب کی بار ضرور کسی عربی دان کو پکڑ کر لاؤں گا۔''

یہ کہہ کر آپ ؒ ایک بار پھر تشریف لے گئے، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ آپ ایک شخص کی گردن میں عمامہ ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے، مسلمانوں نے اس سے سوالات کیے تو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی عرب ہے۔

پھر مسلمانوں نے اس شخص سے کہا کہ تم ضروری اس قلعے کے متعلق خفیہ راز جانتے ہوگے، اگر وہ ہمیں بتلا دو تو ہم اس کے عوض تمہیں رہا کر دیں گے۔

اس نے کہا کہ اول تو میں کسی ایسے راز کے متعلق جانتا ہی نہیں جو تمہارے کام آسکے اور اگر میں کوئی خفیہ راستہ یا راز جانتا بھی تو میرا دین مجھے کس طرح اجازت دیتا؟

یہ سن کر حضرت دامس ؒ نہایت غمگین ہوئے اور پھر کہا، اچھا تو اس رومی سے پوچھ کہ اس نے اپنے آپ کو قلعے کی فصیل سی کیوں گرایا؟

نصرانی عرب اس کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے پوچھنے کے بعد گویا ہوا:

یہ شخص کہتا ہے کہ یوقنا نے آپ حضرات کے چلے جانے کے بعد شہر کے روساء کو جمع کیا اور ان سے قدرت سے زائد مال کا مطالبہ کرنے لگا، میں بھی چونکہ انہی میں سے تھا اس لئے ڈر کر بھاگ نکلا، اور رہائی پانے کے لئے قلعے کی فصیل پر چڑھ کر چھلانگ لگا دی، اس کے بعد جب مجھے ہوش

میں آیا تو آپ کے پنجے میں گرفتار ہو چکا تھا۔

آپؓ نے جب یہ سنا تو دل میں سوچنے لگے اس شخص کو ہمارے دشمنوں کا تماشا دیکھنا چاہیے چنانچہ اس شہری کے سوا باقی سب قیدیوں کو کھڑا کر کے گردن اڑا دینے کا حکم جاری فرما دیا۔

اس کے بعد آپؓ توشہ دان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں سے ایک بکری کی کھال نکال کر اپنی کمر پر ڈال لی اور پھر ایک خشک روٹی لے کر چل پڑے، اور اپنے ساتھیوں سے نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے۔

''اللہ تعالیٰ سے استقامت اور مدد چاہو، اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے خود کو پوشیدہ رکھو اپنے کاموں میں؟ اور احتیاط برتتے رہو، اس رات ان شاء اللہ ہم قلعے کو فتح کر لیں گے۔

ساتھی بھی نصیحت کو غور کے ساتھ سماعت کر کے ان کے ساتھ چل پڑے۔ آپؓ نے دو ساتھیوں کو امیرِ لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا کہ وہ انہیں اطلاع کر دیں کہ ہم قلعے کی طرف جا رہے ہیں۔ آپؓ بھی طلوعِ سحر کے بعد قلعے پر حملہ آور ہو جائیں۔''

پیغام پر ساتھی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے اور باقی ساتھی حضرت دامسؓ کی اقتداء میں چل پڑے۔

آپؓ بکری کی کھال کمر پر ڈال کر چاروں ہاتھ پیروں سے چلتے ہوئے جا رہے تھے، جب کسی قسم کی آہٹ یا چاپ محسوس ہوتی تو فوراً جس طرح بکری روٹی توڑتی ہے آپ روٹی کو منہ میں ڈال کر چبانے لگتے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ساتھی بھی آپؓ کے پیچھے تھے۔ یہ حضرات قلعے کی دیوار کے قریب تر پہنچ گئے۔

حضرت دامسؓ نے قلعے کی چاروں طرف گھوم کر اندازہ لگایا، قلعے کے اوپر سے مسلسل پہرہ دینے والوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور پہرہ بھی سخت تھا، اور قلعے کی فصیل میں جگہ جگہ پر سپاہیوں کی کھیپ پہرہ دینے کے لیئے جاگ رہی تھی۔

حضرت دامسؓ برابر قلعے کے گرد چکر لگاتے رہے بالآخر وہ ایک برج کے پاس پہنچے جسکے چوکیدار نشے میں پڑے سو گئے تھے اور وہاں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

آپؓ یہاں پر ٹھہر گئے، اور ساتھیوں سے اس کے متعلق رائے دریافت کی سب حضرات جوان کے ساتھ تھے بیک زبان ہو کر کہنے لگے:

''اے دامس! ہمارے سردار آپ کو ہمارا امیر مقرر کیا ہے آپ جیسا حکم دیں ہم تو تیار ہیں''

حضرت دامسؓ فرمانے لگے:

''اچھا تو تم نے قلعے کی مضبوطی، فصیلوں کی بلندی اور رومیوں کی ہوشیاری دیکھ لی ایسے میں یہ برج ہمارے کام آسکتا ہے، کیا تم سے کوئی شخص جست بھر کر اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتا ہے؟''

سب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا:

'' بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اتنی بلندی پر تو کوئی بھی بغیر سیڑھی کے نہیں چڑھ سکتا''

انہوں نے فرمایا کہ اچھا پھر ٹھہرو! پھر ان

اٹھائیس آدمیوں میں سات ایسے حضرات کو منتخب فرمایا کہ جن کے کندھوں پر اس برج کو بھی لاد دیا جائے تو اثر نہ پڑے اور وہ جست بھرنے میں بھی شیر کی طرح تھے پھر اس کے بعد کود کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور ان سات شخصوں کو حکم دیا کہ میرے کندھوں پر ایک کے اوپر ایک سوار ہوتے جاؤ۔

ان ساتوں اشخاص نے یکے بعد دیگرے دیوار کا سہارا لیکر حکم کی تعمیل کی، حتیٰ کہ جب ساتواں شخص بھی سوار ہوگیا تو آپؓ نے یکے بعد دیگرے سب کو کھڑا ہونے کا حکم دیا، بلآخر خود بھی آخر میں اٹھ کھڑے ہوئے آپ کا اٹھنا تھا کہ آخری شخص کے ہاتھ برج کے کنگروں تک جا پہنچے، اس نے فوراً ہی کنگروں کو پکڑ کر ایسی جست بھری کہ برج کے اندر جا پڑا، اور پھر لمحہ بھر انتظار کیے بغیر تلوار کھینچی اور نشے میں دھت چوکیداروں کے پرخچے اڑا دیئے۔

اس کے بعد وہ اپنے عمامے کو لیکر دیوار کی طرف آئے اور اپنے ساتھی کی طرف لٹکا کر اسے بھی کھینچ لیا اور پھر ایک رسی بھی حاصل ہوگئی یوں وہ دونوں باقی ساتھیوں کو دھڑا دھڑ اوپر کھینچنے لگے، اور پھر آخر میں حضرت دامسؓ بھی اسی طریقے سے اوپر چڑھ آئے، اور پھر رک کر مشورہ کرنے۔ حضرت دامسؓ نے فرمایا کہ تم سب یہیں پر رکے رہو، میں تمہارے پاس قوم کی خبر لیکر آتا ہوں، اسی دوران تم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے''

یہ کہہ کر آپ قلعے کے درمیان میں جہاں یوقنا کا محل تھا تشریف لے گئے، اور جا کر محل کے اندر کا منظر دیکھنے لگے، رومی لشکر کے امراء اور سرداران یوقنا کے گرد جمع تھے، اور وہ ان کے درمیان سنہرے فرش پر آبدار موتی پہنے اور جواہرات سے جڑا پٹکا باندھے سونے چاندی سے بنی انگیٹھیوں میں عود عنبر سے جلائی آگ سیکنے میں مشغول تھا، اور اس کے ارد گرد شراب کباب چل رہے تھے قوم پوری طرح کھانے میں لگی ہوئی تھی۔

یہ دیکھ کر دامسؓ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آئے اور آ کر فرمایا:

''بہادران اسلام! یاد رکھو کہ ان میں لڑنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں، اگر اسی وقت ہی ہم لوگ حملہ آور ہو گئے تو کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے اور لشکر اسلام کے لئے نہ ہی ہماری تدبیر کام آسکے گی، اس لیے صبر سے کام لیجئے، اب ہم رومیوں کو کھانے پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے، جب صبح ہوگی تو ہم لوگ ان پر حملہ کرکے اپنی پیاس بجھالیں گے، اس وقت اگر ہم اکیلے فتح یاب نہ بھی ہو سکے تو اسلامی لشکر ہماری مدد و نصرت کو پہنچ چکا ہوگا''

تمام ساتھیوں نے ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

''ہم آپ کے تابع فرمان ہیں، اس کے خلاف نہیں کر سکتے''

اس کے بعد حضرت دامسؓ بذات خود قلعے کے مرکزی دروازے کی طرف گئے تا کہ مسلمانوں

کے لئے اسکو کھول سکیں۔
وہاں پر پہنچ کر آپؒ نے دیکھا کہ قلعے کے دو دروازے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک دہلیز ہے جس میں سے دربانوں نے اندر سے دونوں دروازے بند کر رکھے ہیں، باہر بھی چوکیدار باری باری پہرہ دے رہے تھے، یہ دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ سٹپٹائے اور آپ کو بہت ہی ناگوار گزرا، اسی دوران آپؒ کی نظر پتھر کی ایک سِل کی طرف مرکوز ہوگئی، آپؒ نے نگہبانوں سے نگاہیں بچا کر اسکو ہٹایا تو دو ستونوں کے درمیان سوراخ نظر آیا۔ آپؒ اس میں سے اندر داخل ہوگئے، اندر کا منظر بھی عجیب تھا، مرکزی دروازے کے وہ نگہبان جن پر پورے قلعے کی ذمہ داری تھی اپنے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے نشے میں دھت ہو کر پڑے ہوئے تھے۔
آپؒ نے تلوار کھینچ کر ان سب کی گردن ماردی، اس کے بعد دونوں دروازوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں کھول کر اندر والے دروازے کے کواڑوں اسی طرح باقی رکھا تاکہ رومیوں کو معلوم نہ ہو سکے، اور پھر اسی پتھر کی سِل والے سوراخ سے ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دروازے کے کھل جانے کی خوشخبری سنائی۔
اسی دوران صبح کا وقت بھی قریب آچکا تھا، مسلمانوں نے کھڑے ہو کر خنجروں کو سنبھالا تلواریں اور ڈھالیں لٹکائیں اور پھر چھپتے ہوئے دروازے کے پاس آگئے۔
حضرت دامسؒ نے ایک آدمی کو اسلامی لشکر کی طرف روانہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے قلعے میں گھس جانے اور دروازوں کی کھل جانے کی خبر دے اور پھر پانچ ساتھیوں کو دروازے پر متعین فرما کر بقیہ بائیس افراد کے ساتھ یوقنا کے مکان کی طرف چلے، محل کے دروازے پر پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تلواریں نکال کر لشکرِ کفار کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے۔
رومی پہلے تو اس اچانک آپڑنے والی افتاد سے بوکھلا اٹھے، بعد ازاں یوقنا نے مجاہدین اسلام کی قلت کو دیکھا تو چیخ کر حکم دیا کہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا جائے، یہ سن کر رومیوں کا جتھا ان کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر وہ آگے بڑھتے ہوئے یہ بھول گئے کہ ان کے مقابلے میں اللہ کے شیر آئے ہیں اور ان کی طرف اٹھنے والا ان کا ہر قدم انہیں اجل کے قریب کر رہا ہے۔
مسلمانوں نے بھی اس جتھے کو دیکھ لیا اور وہ متفقہ طور پر نعرۂ تکبیر لگا کر ڈٹ گئے اور آنے والے رومیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر میدان کا صفایا کرنے لگے، آج ان کی تلواریں گرم خون کے فوارے چھوڑ رہی تھیں، اور وہ تلوار کے دستوں پر ہاتھ جمائے پوری جوانمردی اور پامردی سے مقابلہ کر رہے تھے۔
مرنے والوں کی چیخ و پکار نے پورے قلعے میں شور و غل پیدا کر دیا تھا اور وہی یہی سمجھنے لگے کہ

پورا قلعہ مسلمانوں کے لشکر سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنی جگہ پر ہی تلوار چلانے لگا، قلعے کے اندر شور وغوغا تھا۔

ایک خون تھا جو ہر طرف بہہ رہا تھا، گردنیں تھیں جو کٹ رہی تھیں، ہاتھ اور شانے بھی کٹ کٹ کر گر رہے تھے، گویا خون کی ندیاں ہی بہہ پڑیں تھیں، رومیوں پر بلائیں اور مصیبتیں اتر پڑیں تھیں اور مسلمانوں کی تکبیریں قلعے کی چہار دیواری سے ٹکرا ٹکرا کر اپنی ہیبت سے کفار کے دلوں کو پاش پاش کرنے لگیں۔

اس جنگ میں لڑنے والے کل تیس افراد تھے۔ حضرت اوسؓ فرماتے ہیں میں بھی اس جنگ میں شامل تھا اور رومیوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے میں بھی مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑائی کر رہا تھا۔

رومی نہایت سختی اور بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے، اور مسلمان حملہ آور شیروں کی طرح رومیوں کو چیر پاڑ رہے تھے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ لڑائی اپنے عروج پر تھی اور ہر ایک زور شور سے اپنے مدمقابل پر دانت پیس رہا تھا اور تلواروں سے وار کر رہا تھا۔ اسی دوران ہم میں سے بھی چند آدمی جام شہادت نوش فرما گئے۔ شہید ہو جانے والوں میں سے چار بزرگ جو ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر حیات ابدی پا گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ بنی عامر حزمیؓ

۲۔ ابو حامد بن سراقہ حمیریؓ

۳۔ فارع بن مسیب تمیمیؓ

۴۔ فزارہ بنی مراد عونیؓ

واقدیؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے نوفل بن سالمؒ نے اپنے دادا عویم بن جازم سے روایت کی ہے کہ وہ بھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شہید ہو جانے والے مذکورہ احباب کے علاوہ یہ حضرات بھی تھے۔

۱۔ ماعبؓ بن مقدام بن عروہ خضرمیؓ

۲۔ مرارہ بن ربیعہ عامریؓ

اور پھر ہم کل بیس افراد باقی رہے (یہاں روایات کے اختلاف کی وجہ سے تعداد میں بھی اختلاف ہو گیا ہے ورنہ مذکورہ تعداد کے مطابق تو اکیس تعداد باقی رہتی ہے یا پھر شاید راوی نے از راہ عاجزی تعداد کے اندر خود کو شمار نہ کیا ہو۔ (واللہ اعلم)

بہر حال! اب تو مسلمانوں کی تعداد میں کمی آنے لگی تھی اور پانچ سو سے زائد رومی تو آہنی دیوار بن کر ان اکیس بیس افراد کے سامنے آکھڑے ہوئے قلعے میں موجود لڑنے والے افراد نے زندگی سے بلکل ہی آس اٹھالی تھی اور اب وہ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کے جوہر دیکھانے لگے تھے۔

اسی دوران ہی حضرت خالد بن ولیدؓ ایک ہزار بہادروں کے ساتھ خدائی مدد و نصرت بن کر کمک کو پہنچ گئے۔

ان کا قصہ یہ ہوا کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی مسلمانوں کی طرف سے فکرمندی کو دیکھتے ہوئے حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنا لشکر قلعے کے قریب ہی ڈالا ہوا تھا اور جب

حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس پیغام پہنچانے کے لئے جا رہے تھے تو ان کی ملاقات حضرت خالدؓ سے پہلے ہوگئی یوں وہ پہلے ہی کمک کے لئے روانہ ہو پڑے۔

ہر کیف! آپؓ کے پہنچتے ہی قلعے کے اندر ایک شور عظیم بلند ہوا، اور رومی بادل کی طرح بادل نخواستہ پھٹ پڑے اور قلعے میں موجود بیس افراد کو چھوڑ کر اسلامی لشکر سے لڑائی کے لئے قلعے کی دیواروں پر چڑھنے لگے، یوں ان مسلمانوں سے ہجوم منتشر ہوا اور ان کی جان میں جان آئی، اور وہ دل مضبوط کر کے ایک مرتبہ پھر لڑنے لگے۔

اسی اثناء میں اسلامی لشکر بغیر کسی مزاحمت قلعے کے اندر داخل ہوگیا، اور ضرار بن اسورؓ جیسے بہادر شیر بھی قلعے میں داخل ہو کر رومیوں کو خاک و خون میں پچھاڑنے لگے۔

حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں آنے والے لشکر نے رومیوں کا وہ حشر کیا کہ انہیں چھٹی کا دودھ بھی یاد آگیا، اور ان کی ایک بڑی تعداد قتل ہو چکی تو ان کی عقل ٹھکانے آگئی اور اب وہ ہتھیار پھینک کر امان، امان، پکارنے لگے۔

یہ سنتے ہی حضرت خالدؓ نے شمشیر بے نیام کو نیام میں ڈالنے کا حکم دیا اور رومیوں کے قتل سے دست کش ہوگئے۔ اسی دوران عساکر اسلام بھی امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کی سرکردگی میں قلعے کے اندر داخل ہوئے۔

اور اسلامی سپاہ اپنی پیاسی تلواروں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے تھے اور سبقت کرنے والے مجاہدین کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔

یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کی کوشش سے حلب کے ناقابل تسخیر سمجھے جانے والے قلعے کو مٹھی بھر مجاہدین کے ہاتھوں فتح کرا کے قیامت تک کے انسانوں کے لئے عبرت انگیز بنا دیا۔ آج کے امن پسند مسلمانوں کو چاہیے کہ عبرت پکڑیں۔

"فاعتبروا یااولی الابصار"

جہاد میں زخم

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں زخمی ہونے والا شخص (اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستے میں کون زخمی ہو رہا ہے) قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا زخم بالکل اسی دن کی طرح تازہ ہوگا جس دن وہ زخمی ہوا تھا، رنگ تو خون ہی کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی سی ہوگی۔

محمد عباس

قیمتی متاع



"خدیجہ بیٹا! جلدی اٹھو!!! نماز کا وقت جا رہا ہے۔"

آمنہ بیگم روز اسی طرح اپنی چھوٹی بیٹی کو اٹھاتی تھی لیکن وہ کبھی بھی وقت پر نہ اٹھتی کبھی کبھار نماز قضاء بھی ہو جاتی۔ کبھی سکول سے چھٹی کرتی، غرض وہ وقت کی قدر نہیں کرتی تھی، جبکہ خدیجہ کی بڑی بہن عنایہ ایمان صبح سویرے اٹھتی، نماز ذکرواذکار کے بعد امی جان کا ہاتھ بٹاتی تھی۔

آمنہ بیگم خدیجہ کی اس حالت سے بہت پریشان تھی۔ یہ کس طرح وقت کی پابندی کرے گی۔ عنایہ نے اس سے کہا۔

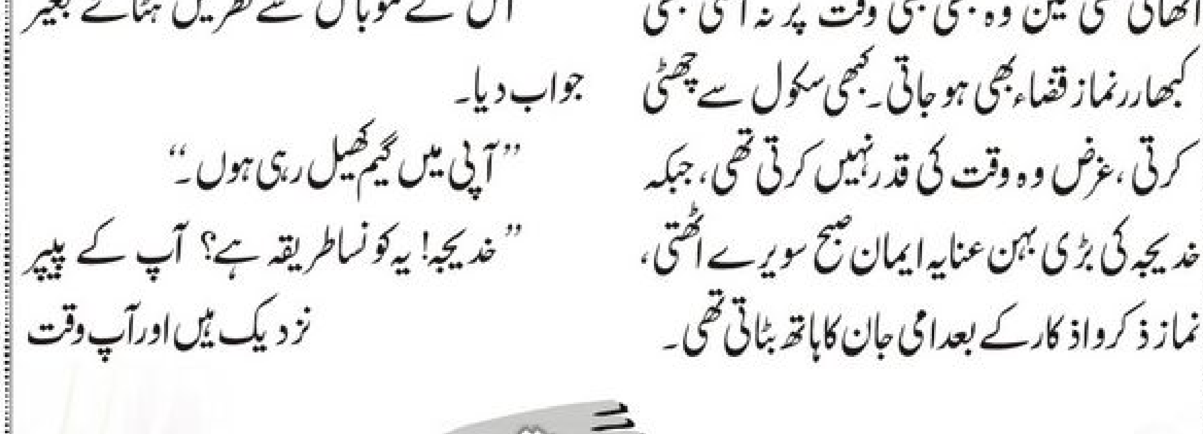
"امی جان! آپ پریشان نہ ہوں خدیجہ کیلئے دعا کریں! ان شاء اللہ خدیجہ بدل جائیگی۔" یہ کہہ کر عنایہ نے ناشتہ کا دسترخوان لگایا۔ اس کو خدیجہ نظر نہ آئی وہ اس کو ڈھونڈنے کمرے تک آئی تو اس کو موبائل میں گم پایا تو پریشان ہوئی اور کہنے لگی۔:

"خدیجہ بہنا! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟"

اس نے موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"آپی میں گیم کھیل رہی ہوں۔"

"خدیجہ! یہ کونسا طریقہ ہے؟ آپ کے پیپر نزدیک ہیں اور آپ وقت



فائزہ مقصود

کو کتنا ضائع کر رہی ہیں، اپنے پیپر کی تیاری کریں!"

خدیجہ کو غصہ آیا۔۔ آج تو چھٹی ہے۔ امی مجھے سونے نہیں دیتی، صبح صبح اٹھاتی ہے اور آپ مجھے موبائل کھیلنے نہیں دیتی"

"دیکھو بہنا! یہ چیزیں فضول ہیں۔ ان سے وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ ہم آپ کے فائدے کیلئے تو کہتی ہیں۔ چلو اب ناشتہ کیلئے آؤ!" عنایہ نے پیار سے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

ساتویں کلاس کی اسلامیات کی ٹیچر فائقہ نور وہ بہت سمجھدار نیک مزاج تھیں، پڑھائی سے زیادہ بچوں کی اچھی تربیت پر توجہ دیتی تھی۔ وہ چاہتی تھی بچیاں اچھی اور نیک بن جائیں۔ ان کا انداز تدریس بہت نرالہ تھا، کبھی کبھار سبق کے دوران سوالات کرتیں جس سے بچوں کے ذہن دل دماغ تیز ہوں اور علم میں اضافہ کا سبب بنے۔

آج بھی جب وہ کلاس میں آئی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی سب بچیوں نے کہا۔

"ٹیچر! اتنے دن ہو گئے آپ نے ہم سے سوال نہیں کئے"

ٹیچر فوراً چونک گئی اور کہنے لگی۔

"ہاں پیارے بچو! آج میں آپ سے بہت اہم بہت زبردست سوال کرونگی جو پہلے کبھی نہیں کیے"

بچیاں خوش ہوگئیں اور خوب ہمہ تن گوش ہو گئیں، جو بھی مجھے اس سوال کا جواب دیگا میں اس کو روز سے اچھا انعام دونگی۔ خدیجہ بول اُٹھی۔

"ٹیچر! اب پوچھ بھی لیں نا!!"

ٹیچر مسکرائی اور کہنے لگی۔

"دنیا کی چیزوں میں وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ طویل ل ہے مگر مختصر بھی، سب سے زیادہ تیز رفتار بھی اور سست ترین بھی، سب سے زیادہ نظر انداز بھی کی جاتی ہے مگر اس کا سب سے زیادہ دکھ بھی ہوتا ہے۔ ایسی چیز جسکے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا؟"

سب لڑکیوں نے اس سوال کے جواب میں اپنے ذہنوں کو خوب جھنجوڑا لیکن کسی کو اس کا صحیح طور پر جواب نہ مل سکا آخر میں کلاس کی مانیٹر خدیجہ نے کہا۔

"مس! ہمیں ایک دن کی مہلت چاہیے!"

ٹیچر نے کہا کہ ایک شرط ہے کہ کوئی کسی سے بھی نہیں پوچھے گا۔ خود سوچ بچار کر کے جواب دینگے۔

سب نے اثبات میں سر ہلایا۔ سب چھٹی کے گھنٹی بجتے ہی اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

خدیجہ کمرے میں بیٹھ کر اس سوال کا جواب سوچ رہی تھی۔

عنایہ اس کے تاک میں تھی کہ آج میں نے اس کا موبائل چھپا دیا ہے اب وہ کمرے سے باہر نکل کر تھوڑا افریش ہو۔لیکن بہت دیر کے بعد بھی جب خدیجہ باہر نہ آئی تو عنایہ نے سوچا کہ یہ باہر کیوں نہ آئی، یہ سوچتی ہوئی وہ کمرے میں گئی اس نے خدیجہ کو سوچوں میں گم دیکھا تو حیرت میں پڑ گئی۔اس کے قریب جا کر پوچھا۔

''کیا ہوا خدیجہ بہنا! آج آپ کن سوچوں میں گم ہو؟ مجھے بتانا پسند کرو گی؟ کیا پتہ میں آپ کی مدد کر سکوں؟''

خدیجہ نے ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا جو ٹیچر نے کہا تھا۔

''خدیجہ! تو کیا اس کا جواب تمہیں ابھی تک نہیں ملا؟ اس کا جواب بہت آسان ہے لیکن ان کیلئے، جو اس چیز کو استعمال کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ کہیں وہ چیز ہم سے کھو نہ جائے بعد میں پچھتانا نہ پڑے کیونکہ وہ چیز دوبارہ حاصل نہیں ہوتی۔''

خدیجہ کے ذہن میں بجلی کی طرح یہ بات کوند گئی۔اتنے سارے سوالات کی بوچھاڑ نے اس کو اندر سے جھنجوڑ دیا۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ اس چیز کے بارے میں کبھی جانا ہی نہیں۔اس سوچ نے اس کو بہت بڑی چیز کا احساس دلا دیا۔

☆......☆......☆

اسلامیات کا پریڈ شروع ہو چکا تھا۔ٹیچر فائقہ جب کلاس میں داخل ہوئی تو بچیوں کے تیور دیکھ کر ان کو سمجھ آ گئی کہ ان کو اس سوال کا جواب نہیں ملا۔خدیجہ کے طرف دیکھ کر حیران ہوئی خدیجہ تو اتنی ذہین بچی تھی جو ہر دفعہ فوراً جواب دیتی تھی، آج وہ بھی گم صم بیٹھی ہے۔

ٹیچر نے لائن وار سب سے پوچھنا شروع کیا، سب نے نفی میں سر ہلایا۔لیکن جب خدیجہ کی باری آئی تو وہ کھڑی ہوئی اور اس نے بتانا شروع کیا۔

''وقت سے زیادہ طویل کوئی چیز نہیں کیونکہ یہ ابدیت کا پیمانہ ہے۔اس سے زیادہ مختصر بھی کوئی نہیں کیونکہ یہ ہمارے منصوبوں کی تکمیل کیلئے ہمیشہ ناکافی ثابت ہوتا ہے، اس سے زیادہ سست رفتار کوئی چیز نہیں اس کیلئے جو کسی امید انتظار میں ہو۔ اس سے زیادہ تیز رفتار نہیں اس کے لیے جو خوشی کے لمحات میں ہو۔ہر شخص اسے نظرانداز کر دیتا ہے اور سب اس کے ضائع ہونے پر افسوس کرتے ہیں۔وقت کے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔''

ٹیچر فائقہ نے اس کو شاباش اور انعام سے نوازا لیکن اس کے چہرے پر خوشی کے بجائے پریشانی کے آثار تھے تو ٹیچر نے کہا۔

''خدیجہ! آپ کو خوش ہونا چاہئے پوری کلاس میں سے صرف آپ انعام کی حقدار ہوئی۔''

خدیجہ نے خوشی اور دکھ ملی جلی آواز میں کہا۔

''ہم نے جو وقت ضائع کیا وہ واپس نہیں آسکتا۔ میں نے اپنا بہت وقت ضائع کیا میں اسی پر نادم ہوں۔''

ٹیچر نے دیکھا کہ سب بچوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ٹیچر نے کہا۔

''دیکھو بچو! جو وقت ہم نے ضائع کیا اس کے لئے استغفار کرینگے اور آنے والے وقت کو قیمتی جانیں گے کیونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو طلوع ہوتا ہے مگر وہ پکار کر کہتا ہے میں ایک مخلوق ہوں میں تیرے عمل پر شاہد ہوں مجھ سے جو حاصل کرنا ہے کرلو! میں اب قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤنگا۔''

دیکھو پیارے بچو! ہماری زندگی میں کل کا لفظ نہ آئے کامیابی کے شاہراہ پر بے شمار اپاہج سکتے ہوئے کہہ رہے ہیں ہم نے اپنی زندگی کل کے تعاقب میں کھودی۔

آپ سب مجھ سے ان باتوں پر عہد کریں۔

(1) آپ اپنا نظام الاوقات بنائیں گے۔

''اس کا مطلب؟'' خدیجہ فورا بول اُٹھی۔

تو ٹیچر نے کہا، آنے والے وقت کیلئے ایک مخصوص عمل کا پروگرام بنانے، زندگی کے تمام اوقات کے لیے کاموں کو تشکیل دینا ہے۔

(2) صحت کا خیال۔ وقت کی رفتار سے بھر پور فائدہ زندگی کے صحت مند ہونے ہی کی صورت میں ممکن ہے۔ وقت سے تعمیری کام لینے کیلئے صحت ضروری ہے۔

(3) محاسبہ کرنا۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ٹیچر اسکا کیا مطلب ہے؟

''اس کا مطلب ہے کہ کیا کیا اور کیا نہیں کیا کس کام کیلئے کتنا وقت خرچ کیا۔'' ٹیچر نے کہا۔

''اگر آپ یہ سب کام کریں گیں تو آپ کا وقت اور زندگی بہت قیمتی بن جائیں گے''

بریک کی بل بجی اور کلاس کی بچیاں ایک نیا عزم لے کر وہاں سے روانہ ہوگئیں۔

☆......☆......☆

کوپن برائے ''وہ کون تھا؟''

نام:..

ولدیت:..

مکمل ایڈریس:..

تعلیم:..

جواب:..

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدین شہیدؒ سے
غازی عامر چیمہ شہیدؒ تک



قسط 9

غازی عبداللہ شہیدؒ

برصغیر میں انگریزی عملداری کے آخری زمانے میں جن عاشقان و محبانِ حبیب خدا ﷺ نے جان کی بازی لگا کر ناموس رسالت کا تحفظ کیا اور جریدۂ عالم پر اپنی سرفروشی کے انمٹ نقوش چھوڑ گئے، ان میں سے کئی غازیوں کو بے پناہ شہرت ملی مگر ایک نام ایسا ہے جس کا ناموس رسالت کے تحفظ کے سلسلے میں کارنامہ تو بہت بڑا ہے لیکن بہت ہی کم لوگ اس عظیم عاشق رسول ﷺ کے نام اور کام سے واقف ہیں۔ یہ جاں نثار ناموس رسالت صوفی عبداللہ تھے۔

ان کا چہرہ خوبصورت، رنگ گورا اور بھری بھری سیاہ داڑھی تھی، جو نہایت ہی بھلی لگتی تھی جب آپ نے اپنی زندگی کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، اس وقت عمر تیس بتیس سے متجاوز نہ تھی۔ گویا ایک لحاظ سے عین عالم شباب تھا۔ جب غازی عبداللہ کو یہ عظیم کارنامہ سرانجام دینے پر مامور فرمایا گیا۔

☆......☆......☆

۱۹۳۸ء میں رونما ہونے والا یہ واقعہ سانحہ ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتا ہے جو چک نمبر ۲۴ کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں کے ایک رہائشی مسمی نور محمد جٹ کاہلوں کے ایک شادی شدہ مسلمان عورت سے ناجائز تعلقات استوار ہو گئے، جو قریب کے ایک موضع ہرنالہ کی رہنے والی

تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے اور کوشاں رہنے لگے کہ کسی طرح ان کی آپس میں شادی ہو جائے۔لیکن عورت چونکہ پہلے ہی شادی شدہ تھی اس لئے انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر اسلام سے منہ موڑلیں اور عیسائیت اختیار کرلیں تو یہ مرحلہ طے ہوسکتا ہے۔چنانچہ انہوں نے سانگلہ ہل جا کر ایک عیسائی پادری کے ہاتھوں عیسائیت ومسیحیت اختیار کرلی۔مگر پھر بھی ان کی خواہش کے مطابق مسئلہ حل نہ ہوا تو بالآخر دونوں بھاگ کر امرتسر چلے گئے اور سکھ مذہب میں داخل ہو گئے۔

بدقماش مرد نے اپنا نام چنچل سنگھ اور بدکار عورت نے دلجیت کور رکھ لیا اور کچھ عرصہ امرتسر میں قیام کر کے مذہب کے قواعد و ضوابط کی تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر لی۔ بعد ازاں چک نمبر ۲۴ چھوٹی میں آ کر آباد ہو گئے۔جہاں بیشتر آبادی سکھوں کی تھی۔سکھ ان کو ہمیشہ مشکوک نظروں سے دیکھتے اور باوجود ان کی یقین دہانی کے وہ واقعی دل سے سکھ مذہب اختیار کر چکے ہیں، سکھوں نے انہیں تسلیم نہ کیا اور چند شرائط پیش کیں، جس میں سے ایک یہ تھی کہ وہ سرعام جھٹکے کا گوشت کھائیں۔ اس بدبخت و بدقسمت جوڑے نے جھٹکے کا گوشت کھا کر یہ شرط پوری کردی۔

اس کے بعد سکھوں نے دوسری شرط یہ پیش کی کہ اب سور کا گوشت کھاؤ۔ان دونوں نے اعلانیہ سور کا گوشت بھی کھالیا۔لیکن سکھوں کو اتنی سخت شرائط منوالینے کے باوجود بھی ان کی طرف سے اطمینان نہ ہوا۔

لہٰذا یہ طے پایا کہ ایک بڑا اجتماع جسے سکھ لوگ اکھنڈ پاٹھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں منعقد کیا جائے اور یہ دونوں اس اجتماع میں پیغمبر اسلام ﷺ کی بے حرمتی کریں (نعوذ باللہ) چنانچہ وہ دونوں یہ بھی کر گزرے۔مگر اس حرکت سے آس پاس کے دیہات کے مسلمانوں کی سخت دلآزاری ہوئی۔ان کی غیرت اسلام جاگ اٹھی اور سارے علاقے میں ہیجان پھیل گیا، جس پر سکھوں نے مسلمانوں کے مجمع عام سے اس بیہودہ ،ناپسندیدہ حرکت کی معافی مانگی، مگر مسلمانوں کی تسلی و تشفی نہ ہوئی۔مسلمان بضد تھے کہ جس نابکار و ناہنجار جوڑے نے اس گستاخی و بے حرمتی کا ارتکاب کیا ہے وہ تو سامنے نہیں آیا، نہ ہی ان لوگوں نے معافی مانگی ہے اور نہ ہی ان کو کوئی احساس ندامت ہوا ہے۔اس پر ایک دوسرے اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔اس میں اس بدکردار جوڑے نے بھی مسلمانوں سے معافی مانگ لی، البتہ سکھ مذہب کو ترک نہ کیا اور اس پر حسب سابق کاربند رہے۔

☆......☆......☆

انہی دنوں چنچل سنگھ کے گاؤں سے کوسوں دور رہنے والے صوفی عبداللہ انصاری نے ایک رات خواب میں دیکھا۔حضور پرنور حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

''عبداللہ! یہ مرتد مجھے دکھ پہنچا رہا ہے، اس کی زبان بند کرو!''

اتنا فرما کر حضور سرور عالم ﷺ تشریف لے گئے۔ صوفی عبداللہ کی آنکھ کھل گئی۔ ان کے کانوں میں ابھی تک حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ اپنے اندر ایک عجیب سی قوت ایمانی اور جوش وجذبہ کھولتا محسوس کر رہے تھے، چنانچہ وہ اٹھے اور کسی کو بتائے بغیر مرتد و مردود سکھ کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بادۂ عشق رسول ﷺ سے سرشار حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں چلے جا رہے تھے۔ انہیں نہ سکھوں کی کثرت اور طاقت کی پرواہ تھی اور نہ اپنی بے چارگی و کم مائیگی کا احساس و خیال۔ بس ایک ہی دھن ان کے سر پر سوار تھی کہ وہ کسی طریقے سے اپنے آقا و مولا ﷺ کا فرمان بجا لائیں اور آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

صوفی عبداللہ اسی دھن میں کھوئے ہوئے سکھوں کے اس گاؤں میں جا پہنچے۔ صبح کا وقت تھا۔ چینچل سنگھ کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ گاؤں سے باہر کنویں پر ہے۔ غازی اسلام نے کنویں کا رخ کر لیا۔ چینچل سنگھ کنویں پر بیٹھا تھا۔ بہت سے سکھ قریبی کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ کچھ اس بد باطن اور بد بخت سے ذرا ہٹ کر کنویں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

غازی صوفی عبداللہ ان کے بالکل پاس جا کر کہا:

''مجھے چینچل سنگھ سے ملنا ہے''

ادھیڑ عمر کے ایک سکھ نے اشارہ سے بتایا:

''وہ سامنے بیٹھا ہے۔''

یہ سنتے ہی عبداللہ بجلی کی سی تندی و تیزی سے اس کی طرف بڑھے اور اسے دبوچ لیا۔ اس سے پیشتر کے چینچل سنگھ اس ناگہانی افتاد سے سنبھلتا...... صوفی عبداللہ نے اسے لٹا کر چھری اس کی گردن پر پھیر دی۔ چینچل سنگھ خاصا ہٹا کٹا اور موٹا تازہ تھا۔ لیکن ادھر عشق نبی ﷺ کی قوت کارفرما تھی۔ لہٰذا اس کی مضبوط گردن دیکھتے ہی دیکھتے کٹ گئی۔ خون کا فوارہ نکلا۔ غازی عبداللہ نے چھری زمین پر رکھ دی اور خود بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ جس نے انہیں اپنے حبیب و محبوب ﷺ کا حکم ماننے کی توفیق و طاقت بخشی۔ پھر اٹھ کر بھاگ نہیں نکلے بلکہ بڑے اطمینان وسکون سے وہیں بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

ایک عجیب عالم تھا......

بد باطن چینچل سنگھ کی گردن کٹی پڑی تھی اور وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ قاتل چند قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا، مگر کسی سکھ میں اس کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔

کچھ سکھوں نے بھاگم بھاگ اس کی اطلاع پولیس کو دی۔ پولیس آئی تو اس وقت بھی غازی عبداللہ بے حد اطمینان سے چینچل سنگھ کی لاش کے قریب بیٹھے

ہوئے تھے...... جیسے پولیس کے انتظار میں ہوں۔

پولیس کے سپاہی یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے حیران ہو کر سکھوں سے پوچھا:

"یہ اکیلا آدمی تھا اور تم ڈھیر سارے...... تعجب ہے کہ چنچل سنگھ کو پھر بھی قتل سے نہ بچا سکے؟...... بلکہ اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہ کر سکے......"

سکھوں کا جواب اور بھی حیران کن تھا:

"یہ اکیلا کہاں تھا؟...... اس کے ساتھ تو مسلح جم غفیر تھا...... جس کی وجہ سے ہمیں نہ قتل سے پہلے اس کی طرف بڑھنے کی جرأت ہوئی...... نہ قتل کے بعد اس کے قریب پھٹکنے کی ہمت پڑی......"

اور جب غازی صوفی عبداللہ سے پولیس افسر نے دریافت کیا:

"کیا واقعی تمہارے ساتھ کوئی مسلح گروہ تھا؟"

تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر ایک معنی خیز مسکراہٹ آپ کے چہرے پر پھیل گئی۔

☆......☆......☆

غازی صوفی عبداللہ کو قتل عمد کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اور عدالتی کارروائی کی گئی۔ غازی کی طرف سے مقدمے کی پیروی شیخوپورہ کے معروف وکیل ملک انور مرحوم نے کی۔

غازی علم الدین اور غازی عبدالقیوم کی طرح غازی صوفی عبداللہ سے بھی کہا گیا کہ اقبال جرم سے انکار کر دو تو سزا سے بچ سکتے ہو...... مگر غازی صوفی عبداللہ کا جواب وہی تھا...... جو پہلے دو غازیوں اور شہیدوں کا تھا:

"اس طرح تم لوگ مجھے بارگاہِ رسالت و نبوت میں حاضری سے محروم کرنا چاہتے ہو، جو مجھے ہرگز منظور نہیں اور پھر یہ کہ اس جرم سے کیسے انکار کروں جس پر مجھے فخر و ناز ہے اور جو میری مغفرت و بخشش کیلئے میری زندگی کا سب سے بڑا نیک عمل ہے۔"

یوں غازی صوفی عبداللہ کے نصیبوں میں شہادت اور دربار رسالت میں فوری حاضری لکھی جا چکی تھی، اس لئے فیصلہ عبداللہ کے خلاف ہوا اور انہیں موت کی سزا سنادی گئی۔

عدالت نے فیصلہ سنایا تو غازی کا چہرہ بشاشت سے چمک اٹھا اور جب اسلام کے اس شیر اور آقا ﷺ کے اس عاشق کو پھانسی کے تختے کی جانب لے جایا گیا تو اس پر نہ موت کا خوف طاری تھا اور نہ ہی رنج والم کے آثار......!!

☆......☆......☆



ام محمد عبداللہ



دعا اور رمضان

"چلنے میں کیا رکھا ہے؟ چلنا تو فضول کام ہے۔ چل چل کے بندہ تھک ہی جاتا ہے۔ لیٹے رہنا اچھی بات ہے۔ بندہ [illegible] بھی نہیں۔ کہانیاں بھی پڑھ لیتا ہے۔ سو بھی جاتا ہے۔"

صہیب نے اپنے سے چھوٹے چچازاد علی کو اپنے کھلونے دیتے ہوئے کہا۔

علی کھلونے لے کر مسکرانے لگا تھا۔ اس کی چچی جان لمحہ پہلے امی جان کو رو رو کر علی کی بیماری کی کئی بار بتائی گئی تفصیل دہرا رہی تھیں کہ اس کی ہڈیاں کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ کسی انفیکشن کا بھی شکار ہیں اور اب وہ عمر بھر چل نہیں سکے گا۔

کچھ دن پہلے چچا چچی گاؤں سے علی کے علاج کے لیے ان کے پاس آئے تھے۔ چچی جان دن بھر روتی رہتیں اور ڈاکٹروں کی بتائی بات دہراتی رہتیں کہ علی اب کبھی نہیں چل پائے گا۔ علی کی تکلیف اور چچی جان کے رونے سے صہیب بہت اداس رہنے لگا تھا۔

"صہیب! میں نے اپنی سکول کی کاپیوں پر کور چڑھا لیے ہیں تم بھی اپنی کاپیوں پر کور چڑھاؤ!"

صہیب کو گم صم بیٹھے دیکھ کر سعد بھائی نے پلاسٹک کور اور براؤن پیپر شیٹس اسے دیتے ہوئے کہا۔

صہیب خاموشی سے شیٹس لے کر کاپیاں کور کرنے لگا۔ اس کی سب کاپیاں کور ہو چکی تھیں مگر پھر بھی ایک شیٹ بچ گئی۔

"اِس کا کیا کروں؟ ہاں آئیڈیا۔ امی جان کی

ڈائری کور کر دیتا ہوں۔" صہیب امی جان کی ڈائری کور کرنے کے بعد اس میں لکھی جانے والی باتیں پڑھنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے علی چل سکتا ہے۔" صہیب خوشی اور اطمینان سے مسکرایا۔

صہیب کی بات سن کر علی بہت خوش ہوا تھا۔

"میں پھر سے چل سکوں گا ناں صہیب بھائی! آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں؟"

علی نے ایک بار پھر یقین دہانی چاہی۔

"جی! جی! بالکل آپ چلنے تو کیا دوڑنے لگیں گے۔" صہیب نے پر جوش ہو کر کہا۔

"امی جی! امی جی! صہیب بھائی کہتے ہیں میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

علی نے خوش ہو کر اپنی امی سے کہا۔

"جی چچی جان! یہ ماہ رمضان ہے۔ یہ دعا کا مہینہ ہے۔ حدیث رسول ﷺ کے مطابق ماہ رمضان کے ہر دن اور رات میں ہر مسلمان کے لیے ایک ایسی دعا ہے جسے قبولیت سے نوازا جاتا ہے اور یہ بھی کہ بلاشبہ روزہ دار کے لیے افطاری کے وقت ایک ایسی دعا ہے جسے رد نہیں کیا جاتا اور یہ حدیث بھی کہ روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اسی لیے تو میں روزہ رکھ کر علی کے صحتیاب ہونے کی دعا کر رہا ہوں۔ دن بھر، سحری کھانے سے پہلے، اذان اور نماز کے بعد اور افطار کے وقت بھی۔ علی ٹھیک ہو جائے گا۔" صہیب کے لہجے میں یقین ہی یقین تھا۔

"لیکن وہ ڈاکٹر تو کہتے ہیں۔۔۔۔۔" چچی جان کچھ کہنا چاہ رہی تھیں لیکن دادی جان نے انہیں ٹوک دیا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں بہو! تم علاج کے ساتھ ساتھ اللہ پاک پر پورا بھروسہ رکھتے ہوئے رمضان المبارک کی ان باسعادت گھڑیوں کو غنیمت جانو! ان میں رو رو کر اللہ پاک سے علی کی صحت کی دعا کرو! وہ سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

جب اللہ پاک نے کہہ دیا کہ مجھ سے مانگو میں دوں گا اور اللہ کے رسول برحق حضرت محمد ﷺ نے بتا دیا کہ روزے دار کی دعا رد نہیں ہوتی تو ڈاکٹر کی بات کہاں اہم رہ گئی۔ بس تم یقین اور اخلاص سے دعا مانگو! ہم سب بھی دعا گو ہیں۔"

"جی! جی دادی جان! یہی تو میری امی جان نے اپنی رمضان ڈائری میں بھی لکھا ہے کہ ہم سب رمضان المبارک کے ان بابرکت دن اور رات میں اللہ تعالیٰ سے بار بار علی کی صحت کے لیے دعا کریں گے۔ اللہ پاک ہماری دعائیں قبول فرمائیں گے اور علی بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

صہیب نے چہکتے ہوئے کہا تو امی جان کے ساتھ ساتھ سب ہی یقین سے مسکرا دیئے۔

☆......☆......☆



محمد دانیال حسن چغتائی

شان حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آج جمعہ تھا اور سب بچے نانی اماں کے پاس مقررہ وقت پر جمع ہو چکے تھے۔ابتدائی باتوں کے بعد نانی اماں نے پوچھا۔

”ہاں بھئی بچو! امید ہے تمہیں پچھلی نشست کا اختتام یاد ہوگا۔ہم امہات المومنین کے سلسلے کو پڑھ رہے ہیں اور اب ہم ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارثہؓ کے بارے میں جانیں گے۔

سب بچوں نے پرجوش ہوکر جواب دیا، جی ہاں ہم تیار ہیں۔تو نانی اماں نے بولنا شروع کیا۔

”جویریہ بنت حارثہؓ بھی مسلمانوں کی ماں ہیں۔ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارثہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں آٹھواں نمبر ہے۔آپ رضی اللہ عنہا بھی عابد وزاہدہ اور حسن صورت وحسن سیرت کی مالکہ تھیں۔ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اعلان نبوت سے دوسال قبل راسخ اور جدہ کے درمیان علاقہ قدید میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کے ہاں پیدا ہوئیں۔“

”نائلہ! اب تم ہمیں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نام ونسب کے بارے میں بتاؤ؟“

نائلہ نے جواب دیا۔

”سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام برہ تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔اس کے بعد آپ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یوں ہے۔:

جویریہ بنت الحارث بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔

حضرت جویریہ خوبصورت اور موزوں اندام تھیں، حضرت عائشہ کہتی ہیں:

”شیریں اور تلخ (معتدل مزاج) عورت تھیں،

انھیں کسی نے نہیں دیکھا سوائے ان کے محرم کے۔"

"عائشہ! یہ بتاؤ! کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے کوئی نکاح کیا؟"

اب باری عائشہ کی تھی، اس نے بولنا شروع کیا۔

"جی ہاں! ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی پہلے خاوند مسافع سے شادی ہوئی۔لیکن نہ اس سے اولاد تھی اور نہ ہی نبی کریم علیہ السلام ہے۔"

"شاباش عائشہ! حسان! تم ہمیں اب اس سے آگے بتاؤ گے کہ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں کب داخل ہوئیں؟"

اب حسان نے بولنا شروع کیا۔غزوہ مریسع کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئیں تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کرلیں۔ مکاتبت یہ ہوتی ہے کہ غلام اپنے آقا سے معاہدہ کرلے کہ میں اتنی رقم دے کر آزاد ہوجاؤں گا۔ جب غلام اور آقا اس پر راضی ہو جائیں اور غلام مقررہ رقم ادا کردے تو وہ آزاد ہوجاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت جویرہ رضی اللہ عنہا سے نو اوقیہ یعنی تیس تولے سونے کے عوض مکاتبت کرلی۔ چونکہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سونا نہ تھا اس لیے انہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کیا، آپ جانتے ہیں کہ میں سردار بنو مصطلق کی بیٹی ہوں۔قیدی یا غلام بنالیا جانا میرے لیے بہت مصیبت کی بات ہے۔ چونکہ میں تقسیم میں ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئی ہوں اس لیے میں نے ان سے نو اوقیہ سونے پر مکاتبت کرلی ہے۔اب میں آپ کی خدمت میں بدل کتابت کی اعانت کیلئے حاضر ہوئی ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تالیف قلب کے لئے فرمایا، اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم دے کر تم کو آزاد کردوں اور پھر تمہیں اپنی زوجیت میں لے لوں۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں اس پر راضی ہوں۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین رات قبل خواب دیکھا کہ چاند یثرب (مدینہ) سے آرہا ہے اور میری آغوش میں آکر گر جاتا ہے۔ میں نے اپنا خواب لوگوں کو بتانا پسند نہ کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر حملہ کردیا۔ جب ہم قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے تو میں نے اپنے اس خواب کی تعبیر کی امید لگائی۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے میرے خواب کی تعبیر یوں پوری فرمائی کہ مصطفی کریم علیہ السلام نے مجھے آزاد کرکے اپنی ازواج میں شامل فرمالیا۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس نکاح کی خیر ہوئی تو انہوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدی یہ کہتے ہوئے آزاد کر دیئے کہ اب یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے سسرالی رشتہ دار بن گئے ہیں۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو سے بھی زیادہ گھرانوں کو ایک ہی دن میں آزاد کر دیا گیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت اور باعث رحمت نہیں دیکھا۔ جن کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کی برکت و رحمت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا، آپ کے والد اور سو گھرانے جو قیدی بنا کر لائے گئے تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

جب یہ لوگ واپس اپنے قبیلے میں گئے تو مسلمانوں کا ایثار اور محبت دیکھ کر اکثر دولت ایمان سے بہرہ افروز ہوئے۔ یہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح ہی کی برکت تھی کہ قبیلہ بنی مصطلق جو پہلے مسلمانوں کا دشمن تھا اب خود دائرہ اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کا معین و مددگار بن گیا۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح ہونے کے بارے سنا تو وہ مال و اسباب جو آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فدیہ کے لیئے لائے تھے سب کا سب مدینہ کے غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور بہت خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔''

''ماشاء اللہ! سبحان اللہ! کس قدر ایمان افروز انداز میں تم نے یہ قصہ بیان کیا ہے۔''

''شاباش بیٹا! تحریم! حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق، زہد و تقوی کے بارے میں بتاؤ؟''

تحریم گویا ہوئی۔

''ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جویریہ رضی اللہ عنہا خوب صورت اور خوب سیرت تھیں۔ ان میں حلاوت تھی جس کی وجہ سے جو بھی انہیں دیکھتا اپنے دل میں جگہ دینے پر مجبور ہو جاتا۔ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بہت خود دار تھیں۔ اپنی عزت نفس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اپنی آزادی کے لئے آپ رضی اللہ عنہا کا جدوجہد کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کو غلامی کی حالت میں رہنا بہت شاق تھا۔ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ اور ذاکرہ تھیں۔ عبادت سے انہیں خاص شغف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اکثر نفلی عبادات کرتے ہوئے پاتے۔''

”عبدالمجید! یہ بتاؤ! حضرت جویریہ کا انتقال کب ہوا؟“

عبدالمجید نے جواب دیا۔

”ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ متفق رائے یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ربیع الاول 50 ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 65 سال تھی۔ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔“

مغرب کی اذان ہونے لگی تھی۔ اذان کے بعد سب نماز کی تیاری کرنے لگے اور یوں یہ محفل برخواست ہوگئی۔

☆......☆......☆

ضروری اعلان

اطلاع کی جاتی ہے کہ مسلمان بچے خریدنے کے لیے آنلائن پیمنٹ کا طریقۂ کار فی الحال عارضی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ برائے مہربانی اشتہار میں دیئے گئے نمبر پر ہرگز پیسے نہ بھیجیں۔

انشاء اللہ مسلمان بچے کی آنلائن ترسیل کا نظم بہت جلد بہتر کر کے اطلاع کر دی جائے گی۔

بشکریہ ادارہ



سائرہ شاہد

مہمان بادشاہ

شیث اسکول کے بعد گھر آیا تو گھر میں صفائی ہو رہی تھی۔ اس نے بستہ رکھا اور کھانا کھا کر باہر کھیلنے کے لیے نکل گیا۔ اس نے اپنے دوستوں کے گھر بھی صفائی ہوتے دیکھی تو حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ اور فوراً گھر واپس آ گیا۔

"آپی جان! سب لوگ صفائی کیوں کر رہے ہیں؟"

وہ ہمیشہ کی طرح اپنے سوالات کی پٹاری لیے زینب کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"کیوں کہ سب کے گھروں میں ایک خاص مہمان آ رہا ہے۔"

زینب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"خاص مہمان؟ کیا کوئی بادشاہ آ رہا ہے کہ سب ہی صفائی کرنے لگے؟"

شیث نے حیرانی سے دوسرا سوال کیا۔

"یہی سمجھ لو پیارے شیث! اب جو مہینہ آ رہا ہے اس "سید الشہور" یعنی تمام مہینوں کا سردار بھی کہا گیا ہے۔"

زینب نے محبت سے اپنی بات سمجھائی۔

"روزے والا مہینہ آپی جان؟"

شیث نے اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"جی جی بالکل ماہِ رمضان۔"

زینب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی تائید کی۔

"یہ کس لیے خاص ہے؟"

شیث کی پٹاری کھل گئی تھی اور زینب بھی ہمیشہ کی طرح اپنے بھائی کو معلومات فراہم کر رہی تھی۔

"کیوں کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے اور اس میں ہماری ہر عبادت کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔"

زینب نے جواب دیا۔

"واؤ آپی جان! اتنا زیادہ انعام؟"

شیث خوشی سے اُچھلا۔

"جی اتنا زیادہ انعام، یہ بہت بابرکت مہینہ ہے ہمیں اس مہینے میں اور بھی انعامات ملے ہیں۔"

زینب نے پرجوش ہو کر معلومات دیں۔

"ہائیں وہ کون سے ہیں؟ مجھے کیوں نہیں پتہ؟"

شیث نے پہلے حیرانی اور پھر افسردگی سے سوال کیا۔

"اداس نہ ہو پیارے بھیا! کیوں کہ وہ انعامات آپ کو پہلے سے پتہ ہیں۔"

زینب نے اُس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہا۔

"اچھا میں چھوٹا سا بچہ ہوں بھول گیا ہوں، یاد کرائیے نا اچھی آپی!"

شیث نے خوب مسکا لگایا تو زینب کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"الحمد للہ قرآن پاک اسی ماہ کریم میں نازل ہوا اور ہمارا پیارا ملک پاکستان بھی اسی ماہ وجود میں آیا۔ اب بتائیے یاد آئے انعامات؟"

زینب نے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

"اب اچھی طرح یاد آگئے۔"

شیث یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک اور بہت خوب صورت انعام بھی ہے، کیا وہ بھی بتادوں؟"

زینب نے کہا تو شیث جلدی سے واپس بیٹھ گیا۔

"جی آپی جان!"

وہ توجہ سے بات سننے لگا۔

"اس ماہ میں ایک رات ایسی بھی ہے جو لیلۃ القدر کہلاتی ہے۔ اس رات کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے۔

''لیلۃ القدر خیر من الف شھر''

یعنی "لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔" اس رات کی گئی عبادات کا بے شمار اجر وثواب ہے۔"

زینب نے بات مکمل کی۔

"پیارے اللہ پاک کی طرف سے ہمیں اتنے ڈھیر سارے انعامات ملے آپی جان!"

شیث نے ہاتھوں کو مکمل پھیلا کر کہا۔

"جی الحمدللہ! اللہ تعالی نے بے شمار انعامات عطا کیے ہیں۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہمیشہ اللہ پاک کا شکر ادا کریں اور اس کی رضا میں راضی رہیں۔"

زینب نے باتوں کے دوران اسے شکر کرنے کی تلقین کی۔

"پیارے پیارے انعامات دینے کے لیے بہت شکریہ اللہ تعالیٰ اور مجھے پیاری آپی جان دی اس کے لیے بھی بہت شکریہ اللہ تعالیٰ۔"

شیث نے زینب کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے بھی ایسا مسکے لگانے والا بھائی دینے کے لیے بہت ت ت شکریہ اللہ تعالیٰ!"

زینب نے بھی شیث کی طرح کہا تو دونوں بہن بھائی کھلکھلا کر ہنس دیے۔

☆......☆......☆



عطاء السلام سحر

چوک والا شیشم

آج پھر اُسے شرارت سوجھی۔ وہ ہاتھ میں بڑا سا پتھر اٹھائے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ محلے کے لوگ گرمی کی حدت کی وجہ سے اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ وہ محلے کے وسط میں بڑے چوک پر پہنچ چکا تھا۔ اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی، اُس کی قوتِ بصری سے کوئی ذی روح نہ ٹکرایا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھا کہ آج سارا حساب چکتا کرنا ہے۔ چوک میں ایک بہت پرانا شیشم کا درخت تھا۔ اس کی چھاؤں میں چاچا افلاطون کی ایک گائے اور دو بچھڑے باندھے ہوئے تھے۔ چاچا افلاطون کے جانوروں سے اُسے کوئی غرض نہ تھی۔ مگر! وہ کچھ پریشان تھا کہ اب ان کا کیا بنے گا۔ "اچھا کچھ نہیں! میں تو اپنی کارروائی پوری کر کے ہی دم لوں گا۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

اِدھر، اُدھر سے دو، چار اور پتھر بھی اُس نے اکٹھے کیے اور اپنی کارروائی کے لیے تیار ہو گیا۔ نشانہ باندھ کر شیشم کے درخت پر بیٹھے شہد کے چھتے پر اس نے یکے بعد دیگرے پتھر برسا دیے اور فوراً وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اب وہ آگے آگے تھا اور مکھیوں کا جھلڑ اس کے پیچھے پیچھے۔۔۔ اچانک ٹھوکر لگنے سے وہ لڑکھڑایا اور گلی کے دائیں طرف جا گرا۔ مکھیوں کے جھلڑ نے موقع واردات سے فرار ہونے والے اپنے محسن کو آخر پا ہی لیا۔ پیار بھرے انداز میں خوب بوسے دیے اور پھر دلی تسکین پوری ہونے کے بعد واپسی کی راہ اپنائی۔

چیخنے، چلاّنے کی آواز سن کر چاچا افلاطون گھر سے باہر نکلا تو تابش اپنے جسم پر زور زور سے ہاتھ ملے جا رہا تھا اور درد سے بھی کراہ رہا تھا۔

"ضرور تم نے مکھیوں کے چھتے سے چھیڑ خانی کی ہوگی۔۔۔" چاچا افلاطون نے صورتِ حال کو بھانپتے ہوئے اُسے کہا۔ مکھیوں کے جھلڑ نے اب چاچا افلاطون کی گائے اور بچھڑوں پر حملہ کر دیا تھا۔

ناگہانی آفت کے اچانک ٹوٹ پڑنے سے گائے اور بچھڑے رسیاں تڑوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ”اوہو! میری گائے اور بچھڑے بھی تو وہیں شیشم کے درخت کے نیچے بندھے ہوئے تھے۔“ چاچا افلاطون نے دانت پیستے ہوئے زیرِلب کہا اور چوک کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں نہ تو گائے تھی اور نہ ہی بچھڑے۔۔۔ اُس کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ ”تابش کی تو خیر نہیں۔۔۔“ اُس نے کہا اور تابش کی درگت بنانے کی خاطر واپس پلٹا۔ مگر! تابش تو اب وہاں سے رفو چکر ہو گیا تھا۔

کافی دیر گزرنے کے بعد مکھیاں دوبارہ اپنے چھتے پر بیٹھ گئیں۔ چاچا افلاطون اپنے جانور تلاش کرتے ہوئے پھرتا پھراتا محلے کے ایک کونے میں پہنچا تو گائے اور دونوں بچھڑے کچرے کے ڈھیر پر چر رہے تھے۔ اُس نے جانوروں کو وہاں سے ہانکا اور دوبارہ شیشم کے درخت کے نیچے آ کر باندھ دیا۔ ”بس! شام ہونے کی دیر ہے، تابش کے ابا جان سے مل کر اس کی شکایت بھی کرتا ہوں اور چھتر تو ضرور لگوانے ہیں اسے تاکہ! اس کی صحت پر اچھا اثر پڑے۔۔۔“ چاچا افلاطون نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔

”آج گودام پر کافی رش تھا۔ کام کی زیادتی کے باعث اب جسم میں درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں۔ یہ لو دودھ! اور جلدی سے دودھ والا ٹھنڈا میٹھا شربت تیار کرو، بس! چینی ذرا کم استعمال کرنا۔“ مسرور احمد نے گھر واپس آتے ہی ساتھ لایا ہوا دودھ اپنی بیگم کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ ”اچھا! ابھی تیار کیے دیتی ہوں۔ آپ چارپائی پر لیٹ جائیں اور سکون کریں۔“ خالدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اچھا وہ اپنا تابش کدھر ہے، نظر نہیں آ رہا؟“ مسرور احمد نے اپنی قمیص اتار کر سرہانے کے پاس رکھتے ہوئے بیگم سے پوچھا۔ ”دوپہر کے وقت گھر سے نکلا تھا ابھی تک واپس نہیں آیا۔ شاید! بچوں کے ساتھ کہیں کھیل رہا ہوگا۔“ خالدہ بیگم نے جواب دیا۔ ”بھلا! یہ کون سا وقت ہے بچوں کے ساتھ کھیلنے کا، مغرب ہونے کو ہے؟“ اُس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اچھا! آتا ہی ہوگا۔ آپ آرام کریں میں شربت تیار کر کے لاتی ہوں۔“ خالدہ بیگم نے مختصر جواب دیا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

اسی لمحے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ سوچ میں پڑ گیا کہ آخر کون آیا ہوا ہوگا۔ اپنے تئیں قیاس آرائیاں کرنے لگا اور پھر سرہانے کے پاس رکھی قمیص زیبِ تن کیا اور اُٹھ کر دروازے کی جانب چل دیا۔

”چاچا افلاطون کیسے آنا ہوا؟“ مسرور احمد نے مصافحہ کرنے کے بعد پوچھا۔ ”تابش نے محلے کے بڑے چوک میں شیشم کے درخت پر بیٹھی شہد کی مکھیوں کے چھتے سے آج چھیڑ خانی کی، پتھر مارے اور خود بھاگا جا رہا تھا۔ شاید! ٹھوکر لگنے کی وجہ سے گرا اور مکھیوں نے اسے کاٹا ہے۔ میری گائے اور دو بچھڑے بھی وہاں بندھے ہوئے تھے۔ مکھیوں نے انھیں بھی کاٹا تو وہ رسیاں تڑوا کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگر کوئی زیادہ

نقصان ہو جاتا تو پھر؟ اِسے سمجھاؤ کہیں پھر سے یہ حرکت نہ کرے۔ بس یہی درخواست کرنی تھی آپ سے۔" چاچا افلاطون نے ایک ہی سانس میں سب کچھ بتادیا۔

"بس کیا کریں؟ بچے ہیں۔ جب تک کوئی شرارت نہ سوجھے تب تک اِنھیں چین نہیں آتا۔ تابش کی وجہ سے مکھیوں نے آپ کے جانوروں کو کاٹا، اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ وہ ابھی تک گھر نہیں آیا۔ جب واپس آئے گا تو میں اس کی ضرور کلاس لوں گا۔۔" مسرور احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ چاچا افلاطون کو رخصت کر کے واپس آیا تو دودھ بھی تیار ہو چکا تھا۔ بیگم نے گلاس بھر کر پیش کیا تو اسی دوران گول مٹول سا چہرہ لیے ہوئے تابش بھی گھر میں داخل ہوا۔

"شاباش! اب تو شہزادے لگ رہے ہو! جا کر شیشے میں اپنا چہرہ تو دیکھ لو ذرا! چاچا افلاطون کچھ دیر پہلے آیا تھا اور آپ کی تعریفیں کر کے گھر لوٹ گیا ہے۔" تابش کو دیکھتے ہی اُس کے ابا جان نے قدرے سخت لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔

تابش نے جب دیکھا کہ بات ابا جان تک بھی پہنچ چکی ہے تو اس نے سہمے ہوئے انداز میں اپنی امی جان کے پہلو میں جا کر پناہ لی۔

"جو ہوا، سو ہوا! اب منہ بنا کر یہیں بیٹھے نہ رہو۔ آؤ! ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ مکھیوں کے کاٹے کا اثر کہیں جسم میں زیادہ نہ پھیل جائے۔ چلو! کچھ دوائی وغیرہ لے آتے ہیں۔" مسرور احمد نے تابش کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بچوں کو مارنے، پیٹنے سے ان کے اندر ہٹ دھرمی جنم لیتی ہے۔ وہ بچوں کو پیار سے سمجھانے کے قائل تھے۔

دوائی لے کر وہ جب واپس گھر پہنچے تو تابش کو دوبارہ پیار سے سمجھایا: "بیٹا! اگر خدانخواستہ! شہد کی مکھیاں آپ کو زیادہ کاٹ لیتیں تو پھر ان کے زہریلے اثرات سے آپ کی طبیعت کچھ زیادہ بگڑ بھی سکتی تھی۔ بے چارے! افلاطون کے جانوروں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا؟ درد کی شدت سے وہ رسیاں تڑوا کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ بے زبان جانور ہیں وہ بتا تو نہیں سکتے کہ ہمیں کتنا تکلیف ہو رہی ہے۔ پیارے تابش! اِس طرح کے کام اچھے بچوں کا شیوہ نہیں ہیں۔"

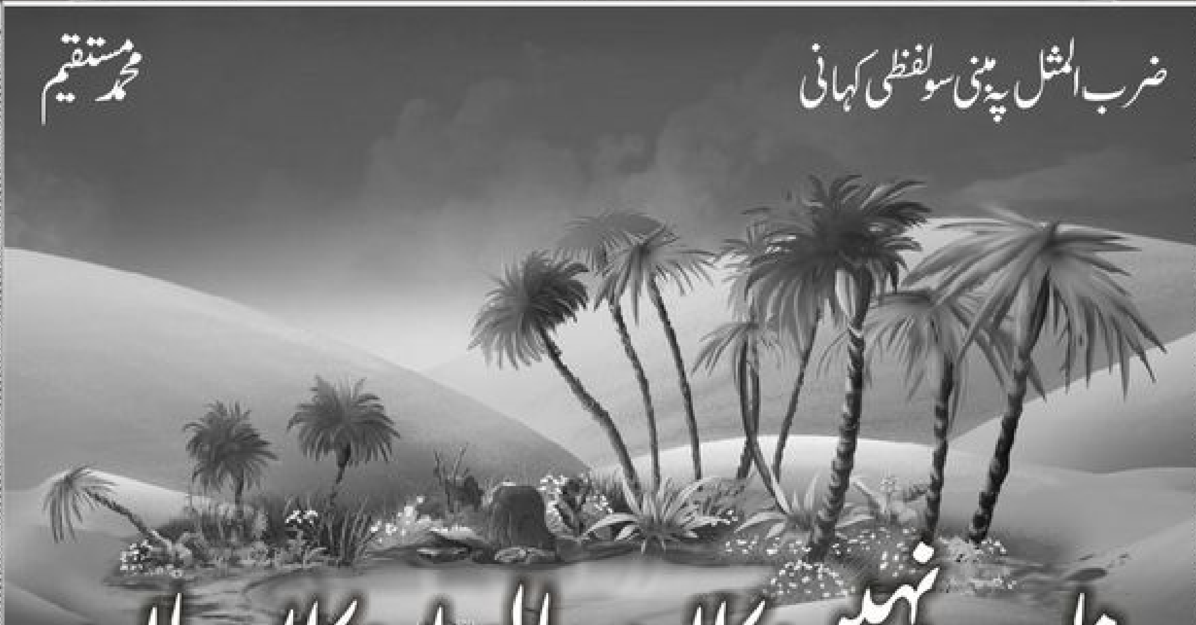
تابش اپنی غلطی پر شرم سار تھا۔ وہ سر جھکائے اپنے ابا جان کی باتیں غور سے سنتا رہا اور اُسے اب احساس ہو چکا تھا کہ میں نے یہ کام اچھا نہیں کیا ہے۔ "ابا جان! آیندہ میں اس طرح کی شرارتیں نہیں کروں گا اور اچھا بچہ بن کر زندگی گزاروں گا۔" تابش نے اپنے ابا جان کے چہرے پر سرسری نگاہ دوڑا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاباش بیٹا! یہ ہوئی نا بات!" مسرور احمد نے خوش ہو کر کہا۔

اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ بچوں کو پیار بھرے انداز میں سمجھانا، مار پیٹ کر سمجھانے سے کہیں زیادہ بہتر اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔ وہ دن، آخری دن ثابت ہوا۔ اُس کے بعد تابش کی کوئی شکایت موصول نہ ہوئی۔

ضرب المثل پہ مبنی سو لفظی کہانی

محمد مستقیم



ثابت نہیں کان، بالیوں کا ارمان

نعیم نے اخبار کھولا اور نوکری کے اشتہار پڑھنے لگا۔ دو لاکھ تنخواہ والی نوکری پر اس کی نظریں جم گئیں۔ چاچا خیرو اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

’’ارے میاں! کیا ڈھونڈ رہے ہو؟‘‘

’’چاچا! نوکری کے اشتہار دیکھ رہا ہوں۔‘‘ نعیم نے کہا۔

’’تم اور نوکری؟ بھلا کس شعبے میں؟‘‘

چاچا نے آگے کو جھکتے ہوئے اشتہار پڑھا اور پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے، ساتھ ہی انھوں نے نعیم کی گدی پر ایک چپت لگائی اور بولے:

’’ثابت نہیں کان، بالیوں کا ارمان‘‘

تعلیم میٹرک بھی نہیں ہے اور اشتہار پڑھ رہا ہے ڈاکٹر کی نوکری کا۔



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

صلح حدیبیہ کے تحت مسلمانوں اور کفار میں یہ طے پایا تھا کہ اگر کوئی مکے سے مسلمان ہو کر مدینہ آئے گا تو نبی کریم ﷺ اسے کفار کے حوالے کرنے کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو کفار کے قاصد بھی وہاں آن دھمکے۔ انھوں نے معاہدے کے تحت واپسی کا مطالبہ کیا اور آپ ﷺ نے انھیں واپس بھیج دیا۔ اب وہ دو کفار کی قید میں تھے۔ کفار انھیں قیدی بنا کر مکہ لیے جارہے تھے۔ راستے میں وہ ایک جگہ رکے اور کھانا کھانے لگے۔ ایسے میں انھوں نے ایک کافر سے کہا:

”تمھاری تلوار تو بہت اچھی ہے، ذرا دکھانا۔“ تلوار کا مالک خوش ہو گیا اور اس نے کہا:

”میں نے بھی اسے زبردست پایا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے تلوار آگے بڑھا دی۔

ان صحابی رسول ﷺ نے تلوار جھپٹ لی اور ایک زوردار وار میں اس کا سر اڑا دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرا کافر بھاگ نکلا۔ اب وہ آزاد تھے۔ انھوں نے وہیں ساحلی مقام پر رہائش اختیار کر لی۔ کچھ عرصے بعد ان کے ساتھ کچھ اور مسلمان بھی آملے اور یوں ان کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی۔ یہ جماعت کفار کے تجارتی قافلوں کو پے در پے نقصان پہنچانے لگی، اس سے کفار زچ ہو گئے اور انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی:

”عیص کے مقام پر رہنے والے مسلمانوں کو روکیں، وہ ہمارے قافلوں پر حملہ کر رہے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچا رہے ہیں۔“

اب نبی کریم ﷺ نے ایک خط لکھ کر ان کی طرف بھیجا۔ جب ان صحابی تک وہ خط پہنچا، ان کا آخری وقت قریب تھا۔ وہ لیٹے ہوئے تھے۔

انھوں نے خط تھاما اور اسے پڑھتے پڑھتے اللہ تعالیٰ سے جاملے۔ وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ نے ان کی تجہیز و تکفین کی۔ حضرت ابوجندلؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور وہیں عیص کے مقام پر دفن کیا، ساتھ ہی ایک مسجد بھی ان کی یاد میں تعمیر کی۔

جن کے حالات آپ نے پڑھے، ان کا تعلق قبیلہ بنوثقیف سے تھا۔ یہ اکثر نماز کے بعد یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

الحمدللہ العلی الاکبر

من ینصر اللہ، فسوف یُنصَر

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ بزرگ و برتر کے لیے ہیں، جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا، اس کی مدد کی جائے گی۔

انھوں نے مکی دور میں اسلام قبول کیا تھا مگر کفار نے قید میں ڈال دیا تھا۔ جب قید سے آزادی ملی تو مدینہ منورہ پہنچے مگر اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے مجبوری کی بنا پر انھیں کفار کو واپس کر دیا تھا۔

یہ تھا ان صحابی رسول ﷺ کا سفرِ اسلام اور وفات۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین!

نوٹ: ان صحابی رسول ﷺ کا نام بتائیے اور معرفت صحابہ کرامؓ حاصل کیجیے۔

وہ کون تھے شمارہ شعبان المعظم کا درست جواب: حضرت ابوبکر صدیقؓ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ شعبان ۱۴۴۴ ھجری کے انعام یافتہ

بنت خلیل فیصل آباد

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

گلزار احمد، ڈیرہ اسماعیل خان۔۔ سعد اللہ، گوجر خان۔۔ حفصہ، تیسر ٹاؤن۔۔ جویریہ ناصر، اسلام پورہ۔۔ ہمشیرہ محمد احمد، خانپور۔۔ محمد کریم بخش، پاکپتن۔۔ نمرہ عبدالقیوم، خانپور۔۔ دانیال حسن، کہروڑ پکا۔۔ عمار حسین، بنت عبدالہادی، کفایت اللہ، محمد عمر چغتائی، عبدالمجید شاکر، عبداللہ حسین، دنیاپور۔۔ محمد احمد حسین، بہاولنگر۔۔ محمد خلیل، فیصل آباد



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

ہم امتحان میں بغیر محنت کے کامیاب ہونا چاہتے ہیں، کوئی طریقہ بتادیں؟؟؟

☆ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ بغیر محنت کے امتحان دیا کریں۔ کبھی کامیاب ہو ہی جائیں گے۔

❁......❁......❁

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

اردو میں الف کے بعد کیا آتا ہے؟

☆ اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں اس کے جواب میں "ب" لکھوں گا تو آپ کا خیال غلط ہے۔

بنتِ شفیق احمد

❁......❁......❁

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

آجکل بہت شدید گرمی پڑ رہی ہے تو آپ گرمی سے بچنے کے لئے اپنے محل میں کیا انتظام کر رکھا ہے؟

☆ ہمارے محل پر ہمیشہ ٹھنڈی رات رہتی ہے، تصویر میں دیکھ لیں۔

❁......❁......❁

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

کیا آپ کے دانش کدہ محل کو بھی کورونا نے نقصان پہنچایا۔

☆ ہمارے دانش کدہ نے کورونا کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔

❁......❁......❁

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

اگر سوال کے جوابات دے دے کر آپ بیمار ہو جائیں تو کیا کرتے ہیں؟

☆جوابات پرسوال اٹھاناشروع کردیتاہوں۔

آفرین زہرہ

❀......❀......❀

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

کیایہ نظم آپ کے اوپرہی بنائی گئی ہے؟

یہ ہیں مسٹراکڑبکڑ

نام ہے ان کالال بجھکڑ

سر ہے ان کاعقل سے خالی

پربنتے ہیں بوجھ بجھکڑ

☆یہ ان کے بارے میں ہے جوہیں تولال بجھکڑلیکن بنتے بوجھ بجھکڑہیں۔

شاعر(m,i,s)

❀......❀......❀

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

انڈے اورڈنڈے میں فرق ظاہر کریں؟

☆ڈنڈے اورانڈے میں''ا''فرق ہے۔

❀......❀......❀

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

آپ اتنے بڑے عقلمند ہیں کہ دانش کدہ کے صفحات پر چھائے ہوتے ہیں''مسلمان بچے'' میں ذرا بچوں کے لیے کچھ قول شول لکھ دیا کریں ناں؟

☆قول شول(اورکوئی حکم؟)

❀......❀......❀

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

کوئی ایساسوال بتائیں جس میں حقیقت کادور دورتک کوئی اَتاپتانہ ہو؟

☆ آپ کے سوال کے علاوہ کسی بھی سوال میں حقیقت کادوردورتک نام نہیں۔

❀......❀......❀

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

ہم نے آپ کے مشورے پرغیر معمولی دانش کے حصول کے لیے بادام چھلکے کھائے تھے جس سے ہمارے دانتوں اورمعدے کوکافی نقصان پہنچا ہے اب اچھاساعلاج بتاکرپریشانی دورفرمادیں۔

☆معدے کے لئے اخروٹ چھلکے سمیت کھائیں۔

❀......❀......❀

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

شعرمکمل کرکے اپنی ذہانت کاثبوت دیجئے

(آتی ہے بات بات مجھے یادباربار)

☆ آتی ہے باربارمجھے یادبات بات

❀......❀......❀

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!!

آپ کی کوٹھی کے پچھلی جانب یہ ہر وقت چودھویں کاچاندکیوں ہوتاہے کیااس کی تاریخیں نہیں بدلتی؟

☆ہم تصویرصرف 14 کوبناتے ہیں

(بنت عبدالروٴف)

❀......❀......❀



آدھی ملاقات

جناب محترم ایڈیٹر مسلمان بچے کے نام

مدیر صاحب سمیت تمام کو میرا سلام
ان تھک محنت اور پرُ خلوص دعائیں
آپ کے نام
آپ کی اس قدر محنت پر ملے گا
آپ کو محشر میں بہترین مقام
امید ہے آپ کا ہوگا بہت ہی بلند مقام
ہمیں بھی یاد رکھیے گا اس وقت
آپ کے لیے ہے یہ پیغام
اللہ تبارک و تعالیٰ دے اس رسالے کو
ترقی و بلند و بالا مقام
خط لکھنے کا تو ہم کرتے ہیں بہت اہتمام
لیکن ردی کے ٹوکرے کی وجہ سے ہوتے
ہیں ہر بار ناکام
ہو سکے تو اپنے چند الفاظ
کردیں میرے نام
تاکہ ہمیں اپنی محنت کا ملے کچھ تو انعام
بس یہی ہیں ہماری گزارشات تمام

بنت شفیق احمد (صادق آباد)

❁......❁......❁

السلام علیکم

امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ آپ خیریت سے ہونگے اللہ تعالیٰ آپ سے جہاد کا کام بہت لے آمین ثم آمین!!

چاچو جان! ہم اس رسالے کو پڑھتے تو بہت سالوں سے آرہے ہیں لیکن لکھنے کی جسارت اب

کر رہے ہیں ۔ ماشاءاللہ رسالہ بہت زبردست ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، رسالے میں نئے لکھاری بہت ہیں ہماری طرف سے سب کو خوش آمدید سب کی تحریریں لاجواب ہوتی ہیں، اب کس کس کی تعریف کی جائے۔

کیاوجہ ہے کہ پرانے لکھاری بہت دیر سے غائب ہیں جیسا کہ نورین ایمان، فائزہ مقصود، عائشہ، محمد اصغر، ام مریم جہادی، طوبیٰ طیب ،سیرت فاطمہ،منال موسیٰ حفصہ بنت خادم حسین ، بنت خالد کلثوم شاہین خالدہ سرور، آپ لوگ جہاں بھی ہوں جلدی سے آجاؤ ورنہ بوجھ بجھکڑ سے پوچھنا پڑے گا کہ پرانے لکھاریوں کو کیسے لایا جائے، آپ کی تحریروں کے بغیر رسالہ پھیکا لگتا ہے،اور ایک بات خالہ سعدیہ سے کہ ہم آپ کو خالہ بلائیں گی ،خالہ جان آپ کی تحریری بہت اچھی ہوتی ہیں لیکن خالہ کبھی کبھی غائب کیوں ہوجاتی ہیں، کیونکہ آپ کی تحریر ہماری وادی جموں کشمیر کے لئے ہوتی ہے۔

جلدی آجائیں ناامید ہے مایوس نہیں کرے گی اور زبیر طیب سے بھی درخواست ہے کہ جانباز کی طرح اور بھی کہانی لے کر جلدی آئیں۔

اچھامدیر چاچواجازت چاہوں گی پہلی بار جو قلم اٹھایا ہے تو چلتا گیا، انشاء اللہ اگلی بار ایک انوکھی تحریر لے کر حاضر ہوں گے ہماری طرف سے سب کو سلام خصوصاً امیر محترم خالہ سعدیہ، زہرہ،رضوانہ جہادی، سیرت فاطمہ، انعم توصیف، تسلیمہ موسیٰ کو سلام

والسلام،آفرین زہرہ

❁......❁......❁

السلام علیکم

مدیر محترم صاحب

امید کرتا ہے کہ رسالہ ''مسلمان بچے'' کے تمام قارئین و لکھاری حضرات و خواتین خیرو عافیت سے ہوں گے۔

میرا نام محمد انس اکبر ہے، میں درجہ اولیٰ کا طالب علم ہوں کئی سالوں سے اپنے پیارے رسالے کے اوراق پر انگلیاں چلارہا تھا،اب سوچا کہ ان اوراق پر کچھ الفاظ رقم کروں'' تو ایک مجاہد کے چند الفاظ اس کی زبانی سن کر منظر عام پر لایا''

امید ہے کہ آپ میری اس محنت پر حوصلہ افزائی کریں گے اور میرے ٹوٹے ہوئے الفاظ کو ردی والی ٹوکری کی نظر نہیں کریں بقول۔۔۔۔

''اللہ محفوظ رکھے ہر بلا سے

خصوصاً ابوامامہ صاحب ٹوکری سے''

ہر ماہ جب نئے ماہ کا رسالہ نظروں کے سامنے آتا تھا پڑھنے کے بعد تحریر لکھنے کے خوابوں میں گم رہتا تھا کافی سوچ و بچار کے بعد اب دل نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا ہے یہ ناصرف دل کی مجبوری تھی بلکہ والدین واساتذہ کی انتھک محنتوں اور دعاؤں کا

صلہ بھی تھا اللہ رب العزت ان کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں مقدر کرے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے۔

درخواست ہے تمام قارئین اور محررین مجھے، میرے والدین بہن بھائیوں اور اساتذہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

آخر میں امیر المجاہدین حفظ اللہ، مدیر محترم، اور تمام قارئین اور محررین کو سلام (محمد انس اکبر)

❁ ……❁ ❁

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

رب العالمین سے امید ہے محترم ومکرم قابل احترام ابوامامہ بھائی اور مسلمان بچے کی پوری ٹیم ایمان اور صحت کی بہترین حالت میں ہونگی رب العالمین اسلام کے ہر مجاہد کی ہمیشہ حفاظت فرمائے آمین

ماہ رجب المرجب کا رسالہ بہت خوبصورت اور شاندار تھا۔ رب العالمین اور زیادہ ترقی عطا فرمائے سب لکھاریوں کو ان کی محنت کا شایان شان اجر عطا فرمائے آمین۔ کاش وہ میرا بیٹا ہوتا بہترین تحریر تھی تسلیمہ موسیٰ بہنا بہت خوبصورت اور سبق آموز تحاریر لکھتی ہیں بیشک نیکی چھپ کر کرنی چاہیے دوسروں کو بتا کر اس کا اجر ضائع نہیں کرنا چاہیے تسلیمہ موسیٰ بہنا کی سب تحریریں بہترین ہوتی ہیں ماشاءاللہ وہ بہترین لکھتی ہیں۔ دوسرا گھر تحریر پڑھی واقعی یہ سچ ہے یا تو بہت سے مسلمان مسجد اقصیٰ کے بارے میں ٹھیک سے جانتے نہیں ہیں اور بہت سے لوگ بیت المقدس کو جانتے ہوئے۔ بہت لوگ اس کے باوجود جہاد نہیں کرتے حالانکہ یہ ان کا فرض تھا کہ وہ القدس پر پہرہ دیتے اور القدس کافروں کے حوالے ہی نا کرتے مگر مسجد اقصیٰ اب قید ہے پھر بھی مسلمان خاموش بیٹھے ہیں حالانکہ انہیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے مسجد اقصیٰ کو فتح کرنے کی کیا یہ ممکن نہیں کہ ان سب کی کوشش سے مسجد اقصیٰ فتح ہوجائے کیونکہ ایمان والوں کی فتح مقدر ہے رب العالمین ان کی مدد ضرور کرتا ہے جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں تو پھر مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی ہر ممکن کوشش کریں اے مسلمانوں بھلا آپ تو اپنے گھروں میں سکون سے بیٹھے ہو رب العالمین کے گھر کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کی جگہ کو کافروں کے حوالے کردیا؟ خود سکون سے گھروں میں سوتے ہو اور مظلوم مسلمانوں کی چیخیں سنائی نہیں دیتی۔ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی ہے اس کی آزادی کیلئے لڑنا مرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ زبیر طیب بھائی کافی عرصے بعد حاضر ہوئے ہمیشہ کی طرح دلچسپ اور بہترین تحریر ماشاءاللہ بارک اللہ فیک۔ زبیر طیب بھائی سے گزارش ہے پلیز بھائی۔ تھوڑا سا وقت نکال کر کوئی اور جانباز جیسا سلسلہ شروع کیجیے کافی وقت سے انتظار کر رہے ہیں سب۔ بہت وقت ہوچکا ہے جانباز جیسے

شاندار سلسلے کو ختم ہوئے رب العالمین آپ کی مصروفیت دور فرمائے آمین رخشندہ بیگم کی تحریر حیا بہت خوبصورت اور معاشرے کی ایک غلط سوچ اور اس کے حل پر مبنی تھی بیشک ہم مسلمان ہیں ہم جہاں بھی رہیں جتنے بھی ترقی یافتہ ملکوں میں ہوں جیسے بھی حالات ہو ہمیں حیادار ہونا چاہیے ہمارا دین اسلام ہے ہماری پہچان بھی اسلام ہے اور ہمارا اسلام حیا کا درس دیتا ہے ہمیں بے حیائی کی چیزوں سے بے حیائی کے لباس سے دور رہنا چاہیے مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ ماڈرن نہیں اپنی ماؤں کی طرح سادگی اور حیا کو اپنائیں۔

سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ غازی علم الدین چیمہ شہید رحمۃ اللہ سے لیکر غازی عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تک یہ دونوں سلسلے بہت معلوماتی ہیں اور ہمارے ماضی سے جڑیں ہیں ان دونوں کی اقساط کا ہمیں بے صبری سے انتظار رہتا ہے رب العالمین ہر مسلمان نوجوان کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ابو شفاء امامہ خالد عبدالمجید شاکر محمد طلحہ بیگم سیدہ ناجیہ شعیب عبدالرحیم محمد عثمان ارشاد سب نے بہت خوب لکھا ابو دجانہ بھائی پرانے لکھاری ہیں اور پرانے شماروں میں ان کی تحاریر پڑھی قابل تعریف ہوتی ہیں جذبہ جہاد سے لبریز امید ہے کہ ابو دجانہ بھائی پھر سے جہاد کے موضوع پر تحاریر لکھیں گے ان شاءاللہ رب العالمین بھائی کے علم اور عمل میں اضافہ فرمائے آمین۔ بوجھ بجھکڑ کی ذہانت کا کوئی جواب نہیں امیر محترم مولانا مسعود اظہر حفظہ اللہ تعالیٰ کی تحریروں کا تو کوئی جواب نہیں انہوں نے حب دنیا اور حرص کے بارے میں کافی معلومات دی اور ان کا علاج بھی بتایا اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ان سے بہت بہت دعاؤں کی درخواست۔

(والسلام اخت محمد فہد)

مجاہد کی فضیلت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں، دونوں کسی مسلمان کے پیٹ میں اکٹھا نہ ہوں گے۔

سبحان احمد

آپ کی پسند

پیارا نبی ﷺ

میرا پیارا نبی کتنا پیارا نبی
ساری دنیا کا ہے وہ دلارا نبی
امتی امتی امتی امتی
روزِ محشر میں ہوگی یہ فکر نبی
ہو درودوں سلام کا گجرا نبی
ان کو غم تھا اگر تھا غم امتی
ان کی ہوگی صدا حشر میں امتی
ڈوبتے کو ملا ہے کنارہ نبی
کام تھا جو بھی اچھا سکھایا ہمیں
عدل و انصاف کا تھا سہارا نبی
اپنے اور غیر سے خوب تھا انکو پیار
رحمتِ دوجہاں غم کے ماروں کا تھا یار
پڑگئیں مشکلیں پر نہ ہارا نبی
ہو شفاعت تیری روزِ محشر مجھے
ہو عنایت تجھے آبِ کوثر نعیم
ساقی آبِ کوثر ہمارا نبی
میرا پیارا نبی کتنا پیارا نبی
ساری دنیا کا ہے وہ دلارا نبی

(انتخاب، میمونہ طیب)

اچھے مسلمان بچے

اچھے بچے اچھے کام کرتے ہیں
نیک کاموں میں وہ اپنی صبح وشام کرتے ہیں
شرارت بھی کرتے ہیں پر
ایسی کہ جس میں نہ ہو شر
کرتے ہیں والدین کی فرمانبرداری
اور سب بڑوں کی اطاعت گزاری
نہیں ہیں چھیڑتے وہ چرند پرند کو کبھی
آتے ہیں امتحانات میں اول وہ جبھی
سب بچے بن سکتے ہیں بچے اچھے
پر پہلے ہننا پڑے گا سب کو بالکل سچے
چلو اب عہد کریں سب مسلمان بچے
رہیں گے اب ہم لوگ بن کر سچے
اچھے بچے اچھے کام کرتے ہیں
نیک کاموں میں وہ اپنی صبح وشام کرتے ہیں

(میمونہ طیب)

پیغام سنا دینگے

اے اللہ واحد تو امداد ذرا کرنا
دنیا کو تیرے خادم پیغام سنا دینگے
اسلام کے شیروں کو مت چھیڑنا تم ورنہ
تکبیر کے نعروں سے دنیا کو ہلا دینگے
اسلام زمانے میں دبنے نہیں آنا
تاریخ میں یہ مضمون ہم تم کو دکھا دینگے
اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دینگے
مسلم کو حقیقت میں کمزور نہ سمجھو تم
ہم مٹتے مٹاتے بھی کافر کو مٹا دینگے
کشمیر میں بھارت نے جو آگ لگائی ہے
ہم اپنے لہو سے اسکو بھی بجھا دینگے
اے اللہ واحد تو امداد ذرا کرنا
دنیا کو تیرے خادم پیغام سنا دینگے
ہندو کو یہ بتلادو مسلم ابھی زندہ ہیں
ایمان کے جذبے سے مشرک کو مٹا دینگے
اے اللہ واحد تو امداد ذرا کرنا
دنیا کو تیرے خادم پیغام سنا دینگے

اخت حقنواز، مدھانی والہ

جاگو مجاہدو تم!!

سارے جہاں کے اندر اسلام کو پھیلاؤ
منزل جاگو مجاہدو تم اوروں کو بھی جگاؤ
ایوبیؒ، غزنویؒ کا دہراؤ دور پیارا
ابن ولید والے جذبات تم دکھاؤ
ظلمات کی ہے بارش کشمیر کی زمین پر
کشمیری ماؤں بہنوں کی عزتیں بچاؤ
بھارت میں ہندوؤں نے بے جرم خوں بہایا
اصحاب کے دیوانوں ہندوؤں کو تم مٹاؤ
اسرائیلی یہودی کمانڈوز ہیں کشمیر کی زمین پر
لوگو! وہ مسجد اقصیٰ آنسو بہا رہی ہے
حماس تم اور تل ابیب پر راکٹ برساؤ
اسرائیل کو بھگاؤ اسلام کو بچاؤ
محمد بن قاسم جیسے کمانڈر تم بنو
کشمیر کی سرزمین پر بھارت ظلم ڈھا دیا ہے
اپنی سرزمین چھڑاؤ بھارت کو بھگاؤ
صدمات ہنستے ہنستے مدت گزر گئی ہے
جدید ہتھیاروں سے کشمیر آزاد کرو
بھارت کے خلاف مسلمانوں ہتھیار اٹھاؤ
اب وقت ہے انوکھا دار العرب میں آؤ
جرات و بہادری سے کفار سے لڑو تم
غفلت کی نیند چھوڑو تلوار تم اٹھاؤ
حضرت مسعود ازہر ہیں شیر دل مجاہد
ان کی جماعت ہی میں نام اپنا تم لکھاؤ
پیارے مسعود ازہر کا حوصلہ بلند ہے
اپنے امیر جیسا ایمان تم بناؤ۔

(محمد زین زاہد، فیصل آباد)

ہم جیش محمد ہیں

ہم ڈرتے نہیں ہیں باطل سے، ہم جیش محمد ہیں
جو باتیں بناتیں ہیں وہ کوئی اور ہی ہونگیں
ہم کردار نبھاتے ہیں، ہم جیش محمد ہیں
جذبوں کی صداقت سے۔اس فتح مبین کو بھی
ہم حاصل کرلیں گے، ہم جیش محمد ہیں
بس اللہ کے بندے اور نبی کے امتی ہیں
مشرک امریکہ ہے، ہم جیش محمد ہیں
جہاد کی نعمت سے محروم جو رہتے ہیں
وہ خسارے اٹھاتے ہیں، ہم جیش محمد ہیں
اپنی جانوں کے بدلے میں جنت کو پاتے ہیں
شہادت کے طالب ہیں، ہم جیش محمد ہیں
اظہر پہ میرے اللہ، اپنی نظر کرم تو کر
ان کی محنتوں کے ثمر، ہم جیش محمد ہیں
اللہ میری سن لے، فریاد میں کرتی ہوں
مجھ کو بھی تو ان میں کر، جو جیش محمد ہیں

سفیر امن

شہید کے چھ انعامات

مقدام بن معدیکرب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کے یہاں شہید کے لیے چھ بھلائیاں ہیں:

1۔خون کی پہلی ہی پھوار پر اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، اور جنت میں اس کو اپنا ٹھکانا نظر آجاتا ہے 2۔عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے، 3۔حشر کی بڑی گھبراہٹ سے مامون و بے خوف رہے گا، 4۔ایمان کا جوڑا پہنایا جاتا ہے، 5۔حورعین سے نکاح کر دیا جاتا ہے، 6۔اس کے اعزہ واقرباء میں سے ستر آدمیوں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔

مریم بنت جواد



خوش نصیب ماں

سعادت مند بیٹا

گھر پہنچنے پر والدہ نے کہا بیٹا! آج گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے؟

مگر ہاں ہماری گندم تیار کھڑی ہے اگر تم اس گندم کو کاٹ کر لاؤ تو میں آٹا پیس کر روٹی پکا دوں، سعادت مند ''بیٹا'' سخت گرمی میں اپنی زمین کی طرف چل پڑا!!!

وہ اپنے ننھے وجود پر جس قدر بوجھ اٹھا سکتا تھا گندم کاٹ کر لے آیا۔

''والدہ نے چھان کر آٹا بنایا اور روٹی پکائی!

اس طرح ظہر کے بعد کچھ کھانے کا سامان ہوا اس قدر مشقت کے بعد بیٹے نے آرام نہیں کیا بلکہ ظہر کے بعد اپنی تعلیم کے لئے چل پڑا! والدین اور بیٹے نے یوں وقت گزارا لیکن اس بچے نے اپنی پڑھائی میں فرق نہ آنے دیا یہ بچہ ''دارالعلوم دیوبند'' کا فاضل مولانا محمد یاسینؒ تھے، سبحان اللہ

انتخاب اہلیہ عامر

مسلمانوں کے اصل ہیروز

حضرت عمر بن الخطابؓ نے رومی ایمپائر، آج کے شام (سوریا) پر روم کی حکومت تھی۔ روم

سے لڑنے کے لئے ایک فوجی دستہ روانہ کیا۔ اس دستے میں ایک نوجوان صحابی عبداللہ بن حذافہ بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سوریا کا بادشاہ قیصر تھا۔ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان زبردست جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے قیصر کی فوج کو پچھاڑ دیا۔ قیصر مسلمانوں کی بہادری اور ثابت قدمی پر حیران ہوا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کا کوئی جنگی قیدی ہو تو حاضر کیا جائے۔

عبداللہ بن حذافہؓ کو لاکر حاضر کیا گیا جن کے ہاتھوں اور پاؤں میں ہتھکڑیاں تھی، قیصر نے ان سے بات چیت شروع کی تو ان کی ذہانت سے حیران رہ گیا، دونوں کے درمیان یہ مکالمہ ہوا:

قیصر: نصرانیت (عیسائیت) قبول کرلو تمہیں رہا کردوں گا۔

عبداللہ: نہیں

قیصر: نصرانیت قبول کرلو آدھی سلطنت دوں گا اور تمہیں حکمرانی میں شریک کروں گا۔

عبداللہ: نہیں، اللہ کی قسم اگر تم مجھے اپنی پوری مملکت، اپنے آباو اجداد کی مملکت، عرب وعجم کی حکومتیں بھی دے دو تو میں پلک جھپکنے کے برابر بھی اپنے دین سے منہ نہیں موڑوں گا۔

اس پر قیصر غضبناک ہوا اور کہا تجھے قتل کردوں گا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا! مجھے قتل کردے۔ قیصر نے حکم دیا کہ ان کو ایک ستون پر لٹکا کر ان کے آس پاس تیروں کی بارش کی جائے (ڈرانے کے لئے) پھر اسے عیسائیت قبول کرنے یا موت کو گلے لگانے میں سے ایک بات کا اختیار دیا جائے۔ جب قیصر نے دیکھا کہ اس سے بھی بات نہیں بنی اور وہ کسی حال میں بھی اسلام چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو حکم دیا کہ اس کو قید میں ڈال دو اور کھانا پینا بند کردو۔ عبداللہ کو کھانا پینا نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ پیاس اور بھوک سے موت کے قریب ہوگئے تو قیصر کے حکم سے شراب اور خنزیر کا گوشت ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب عبداللہ نے یہ دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم میں وہ مضطر (پریشان حال) ہوں جس کے لیے یہ حلال ہے مگر کفار کو خوش کرنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر کھانے کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ یہ بات قیصر کو بتائی گئی تو اس نے حضرت عبداللہ کے لیے بہترین کھانے لانے کا حکم دیا لیکن آپ نے التفات نہ کیا اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔

جب قیصر کا ہر حربہ ناکام ہوا وہ حضرت عبداللہ کے بارے میں مایوس ہوا تو ایک کڑاہی منگوائی اور اس میں تیل ڈال کر خوب گرم کیا اور حضرت عبداللہ کو اس دیگ کے سامنے لایا گیا اور ایک دوسرے مسلمان قیدی کو زنجیروں سے باندھ کر لایا گیا اور ایک دوسرے مسلمان قیدی کو زنجیروں سے باندھ کر لایا گیا اور ان کو اٹھا اس ابلتے تیل میں ڈالا گیا

ان ایک چیخ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی ہڈیاں الگ ہوگئی اور تیل کے اوپر ترنے لگی۔ حضرت عبداللہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے اب ایک بار پھر قیصر حضرت عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا اور نصرانیت قبول کرنے اور اسلام چھوڑنے کی پیش کش کردی مگر عبداللہ نے انکار کردیا۔

قیصر غصے سے پاگل ہونے لگا اور حکم دیا کہ اس دیگ میں موجود تیل کو عبداللہ کے سر پر ڈال دیا جائے۔ جب قیصر کے کارندوں نے دیگ کھینچ کر عبداللہ کے قریب کی اور اس کی تپش کو عبداللہ نے محسوس کیا تو وہ رونے لگے!!

آپ کی ان خوش نصیب آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے جن آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور دیکھا تھا!! یہ دیکھ کر قیصر خوشی سے جھومنے لگا وہ سمجھا کہ شاید ڈر گیا ہے اور کہنے لگا کہ عیسائی بن جاؤ معاف کردوں گا۔

حضرت عبداللہ نے کہا: نہیں اللہ کی قسم میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میری ایک ہی جان ہے جو اس دیگ میں ڈالی جائے گی، میری یہ تمنا ہے کہ میری سر کے بالوں کے برابر جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے اللہ کی راہ میں نکلیں۔

یہ سن کر قیصر نے مایوسی کے عالم میں حضرت عبداللہ سے کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرے سر کو بوسا دو اور میں تمہیں رہا کروں؟

عبداللہ: اگر میرے ساتھ تمام مسلمان ساتھیوں کو رہا کرتے ہو تو میں تیرے سر کو بوسہ دینے کے لیے تیار ہوں۔

قیصر: ٹھیک ہے۔

حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو رہا کرنے کے لئے اس کافر کے سر کو بوسہ دیا اور سارے مسلمان رہا کردیئے گئے۔

جب واپس حضرت عمر بن خطاب کے پاس پہنچ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو واقعہ بتادیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عبداللہ بن حذافہ کے سر کو بوسہ دینا ہر مسلمان پر ان کا حق ہے اور پھر خود اٹھے اور عبداللہ کے سر کو بوسہ دیا۔

پیارے بچوں! یہ ہمارے اصل ہیروز ہیں۔ جنھوں نے اسلام کے لیے اذیتیں برداشت کیں، آج ہمارے بچے! اس آئرمین اور بیٹ مین جیسے جعلی اور خیالی ہیروز کو جانتے ہیں۔

محمد زین زاہد

فائزہ کا باغ

فائزہ نے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ایک اور کار سڑک میں پھنس گئی۔ ڈرائیور اور ایک بوڑھا آدمی اگلے پہیوں میں سے ایک کو تبدیل کر رہے تھے۔ فائزہ نے دیکھا جیسے اس شخص نے چلتی دھوپ میں کام کیا تھا۔ ایک درخت

کے نیچے سڑک کے کنارے ایک عورت اور دو بچے بیٹھے تھے، جو سورج سے پناہ لے رہے تھے۔ فائزہ نے اپنا کمپیوٹر آن کیا۔ اس نے اپنا کیلنڈر کھولا اور کاغذ کی شیٹ پر نوٹس بنانے شروع کیے۔ صرف دو ہفتوں میں بہت سارے حادثات ! فائزہ نے خود سے کہا۔

کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا! اگلے دروازے میں کنڈر گارٹن اسکول (وہ اسکول جہاں پر چھوٹے بچوں کو کھلونوں اور چیزوں کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے) کے بچوں کے لیے یہ سڑک بہت خطرناک ہے۔ فائزہ نے دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ان لوگوں نے پہیے کو ٹھیک کر دیا تھا اور کچھ پرانے کپڑوں سے ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ عورت اور بچے اب کار کے اندر تھے۔ جلد ہی کار وہاں سے چلی گئی۔ سڑک کے ایک بڑے سے راستے میں گہرا شگاف تھا، ایسے جیسا کہ کوئی کھلا ہوا منہ ہو۔

وہ اپنے اگلے شکار کا اندھیرے میں بڑی بے صبری سے انتظار کرتا تھا۔ فائزہ اپنے کمپیوٹر پر واپس آئی اور ایک خط لکھا۔ ایک ہفتہ گزر گیا۔ تین ہفتے گزر گئے۔ فائزہ ہر روز اپنے خط کے جواب کا انتظار کرتی رہی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔

ہر روز فائزہ اپنے حادثے کے روز نامچے میں ایک نیا اندراج کرتی تھی۔

آٹو پھنس گیا۔ سائیکل سوار گٹر میں گر پڑا۔ آدمی زخمی ہو گیا۔ ٹوکریاں سڑک پر گر گئی۔ لاری پنکچر ہو گئی۔

''بہت ہو گیا!'' فائزہ نے خود سے کہا۔

''میں اب مزید ایک لمحے کا بھی انتظار نہیں کروں گی!'' یہ کہہ کر ٹوکری تلاش کی اور فائزہ نے اسے اپنے باغ کی مٹی سے بھر دیا۔ اس نے کچھ کھاد بیگ میں ڈال دی۔ اُس نے اس میں احتیاط سے چند چھوٹے چھوٹے پھولوں کو جڑوں سے کھود کر ایک بیگ میں رکھ دیا۔ اس نے ایک پرانی کین کو پانی سے بھر دیا۔ پھر اس نے لکڑی کے تین لمبے ٹکڑے اور بورڈ کی کھپچیاں لیں۔

اس نے اپنا سامان اپنے گھر کے سامنے والے دروازے کے پاس رکھا۔ اپنے کمرے میں واپس جا کر فائزہ نے کارڈ کی تین بڑی شیٹیں لیں۔ اس نے ان پر کچھ لکھا اور خاکہ بنایا۔ شام کو، فائزہ نے ساری چیزیں اکٹھی کیں اور باہر لے جا کر سڑک کے کنارے چلی گئی۔ اس نے کارڈ کی دو شیٹوں کو لکڑی کے دو ٹکڑوں کے درمیان نصب کیا۔ اس نے انہیں سڑک کے ہر سرے پر پتھروں سے باندھ دیا۔ اشارے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سڑک بند ہے۔ فائزہ بڑے راستے کی طرف واپس گئی اور اس میں مٹی کی ٹوکری کو خالی کر دیا۔ اس نے کھاد کو شامل کیا اور یہ سب ایک ساتھ ملا دیا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے پودوں کی کونپلوں کو

لگایا اور پانی لگایا۔

اس کے بعد اس نے لکڑی کا تیسرا ٹکڑا مٹی میں ڈال دیا اور کارڈ کی آخری شیٹ اس پر رکھ دی۔اس پر رنگین نشان تھا۔

فائزہ نے سڑک کے بند اشارے کو ہٹایا اور اپنے گھر چلی گئی۔اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اب سڑک میں کوئی راستہ نہیں تھا۔اس کی جگہ اب ایک خوبصورت چھوٹا سا باغ تھا۔ جلد ہی ایک بہت بڑا ہجوم جمع ہوگیا۔لوگ دیکھنے کے لیے رک گئے ۔کنڈرگارٹن اسکول کے بچے دیکھنے کے لیے رُک گئے۔ جب ٹریفک چلی تو ڈرائیور مسکرائے اور آہستگی سے گزرے۔

انہوں نے بہت احتیاط سے باغ کا چکر لگایا ۔اگلی صبح ایک کیمرے والا آدمی آیا۔ اس نے فائزہ کے باغ کی بہت سی تصاویر کھینچی۔اس کے فوراً بعد ہی یہ تصویریں اخبار میں آگئیں۔ پولیس چیف دیکھنے کے لیے پہنچے۔ یہاں تک کہ میئر بھی آیا۔ فائزہ کا چھوٹا سا باغ سڑک کے کنارے چلا گیا۔آخر کار راستہ پر ہوگیا اور ایک چمکیلی تارکول کی نئی سطح سڑک پر ڈال دی گئی۔اس باغ کو آج کل فائزہ کا باغ کہا جاتا ہے اور یہ خوبصورت پھولوں سے ہرا بھرا ہوا ہے۔

ملک محمد احسن

ناقدری

ٹیچر اس وقت اسلامیات کا پیریڈ لے رہی تھیں جب فوزیہ کو شدید پیاس کا احساس ہوا،اس نے قریب بیٹھی آصفہ کو متوجہ کیا۔

’’پانی ہے؟‘‘فوزیہ نے آہستگی سے پوچھا۔

’’نہیں،بریک کے وقت پی لینا۔‘‘آصفہ نے ٹیچر کی موجودگی کا احساس کرتے مختصر جواب دیا۔

پیریڈ ختم ہوا اور بریک کی بیل بجی تو وہ بھاگتے ہوئے پانی کی تلاش میں نکلی۔

وہاں جا کر دیکھا تو ایک طویل قطار لگی تھی،وہ بھی اپنی باری کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ ہی دیر بعد فوزیہ کے پیچھے بھی اک طویل قطار لگ چکی تھی۔

’’شاید میرے بعد آنے والوں کو زیادہ پیاس محسوس ہو رہی ہو کیوں نا میں اپنی جگہ ان کو دے دوں؟‘‘یہ سوچتے ہوئے فوزیہ سب سے آخر میں جا کھڑی ہوئی۔

کچھ ہی دیر میں بریک کا وقت ختم ہوا اور وہ پانی پیے بغیر کلاس کی طرف جا رہی تھی مگر دل میں اک سکون تھا۔

’’اُففففف ۔۔۔فوزیہ آج پھر تم نے اتنا پانی ضائع کر دیا؟ کتنی بار سمجھایا ہے جب بھی موٹر چلاؤ دھیان رکھا

کروکہ پانی بہے نا۔۔۔مگر تم۔۔۔۔!"

آپی صحن میں جمع پانی نکالتے ہوئے مسلسل بول رہی تھیں مگر فوزیہ بغیر کسی تاثر کے رسالہ پڑھنے میں مگن رہی۔

❁......❁......❁

وہ ایک صحرا تھا جس کی تپتی دھوپ میں وہ تنہا کھڑی تھی۔

پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔

اس نے آس پاس ہر جگہ پانی تلاش کیا مگر ناکام رہی۔

تھک ہار کر وہ ایک جگہ گرنے ہی والی تھی کہ اچانک اک تالاب پہ نظر پڑی جو صاف ستھرے پانی سے بھرا ہوا تھا۔

وہ تالاب کی طرف بھاگی قریب پہنچی تو تالاب کا پانی غائب ہوگیا۔

وہ کچھ دور ہٹتی تو پانی بھر جاتا۔قریب جاتی تو پانی غائب ہو جاتا۔

"پانی۔۔۔۔پانی ی ی۔۔۔۔"وہ چیخنے لگی۔

"فوزیہ۔۔۔۔!کیا ہوا فوزیہ۔۔۔۔!یہ لو پانی پیو!کیوں چیخ رہی ہو؟"

آپی نے اسے جھنجھوڑ کر نیند سے جگایا۔

ایک ہی سانس میں پانی پینے کے بعد اس کے حواس کچھ بحال ہوئے۔

اس نے آپی کو خواب سنایا اور روتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپی!میں تو سب کو پانی پلاتی ہوں خود پیاسی رہ کر دوسروں کو سیراب کرتی ہوں میرے ساتھ کیوں ہوا ایسا؟"

فوزیہ پریشان تھی۔

"دیکھو!میری بہن!

تم بے شک پیاسی رہ کر دوسروں کو پانی پلاتی ہو مگر کبھی تم نے سوچا،جب برتن دھوتی ہو؟وضو کرتی ہو یا فرش دھوتی ہو،تم کس قدر پانی کا ضیاع کرتی ہو؟

یہ خواب اسی ناقدری کا نتیجہ ہے فوزیہ۔۔۔!"

آپی نے لمحوں میں اسے بہت بڑی بات سمجھا دی۔

فوزیہ نے ندامت سے سر جھکا کر اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی۔

ربیعہ بلال،خانپور

❁......❁......❁

نیکی

"کہاں رہ گئے تھے نیہال؟روزہ کھلنے والا ہے بیٹا!بس پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔" ابو جی نے دستر خوان پر بیٹھتے نیہال سے استفسار کیا۔

"جی ابو!معذرت چاہتا ہوں دوست کے ساتھ تھا۔"

''ہمم! مگر یہ دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا وقت دیکھ کر کیا کرو!''

''جی ابو جی!'' نیہال نے سر جھکا کر کہا۔ پھر آذان کی آواز پر سب روزہ کھولنے لگے۔ افطاری کے بعد وہ، سمی اور ابو جی کے ساتھ نماز کے لیے چلے گئے۔

❀......❀......❀

''نیہال! میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں تم دوپہر میں کہیں چلے جاتے ہو اور روزے سے کچھ دیر پہلے لوٹتے ہو۔ کہاں جاتے ہو؟''

''کہیں نہیں سمی بھائی! بس شارق کے ساتھ ہوتا ہوں۔'' نیہال کی بات پر سمی سر ہلا کر دوبارہ کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

❀......❀......❀

''ماشاءاللہ بھئی سمی! آج کل تم نے کھیل کود ترک کر دی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں عبادت میں کافی وقت گزارنے لگے ہو۔ بس رمضان کے بعد بھی یہ عادت جاری رکھنا۔'' ابو جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سمی آٹھویں جماعت میں جب کہ نہال ساتویں کلاس کا طلب علم تھا۔

''جی! ابو جی! میرے استاد کہتے ہیں۔ رمضان مبارک میں اللہ پاک ہم پر لاتعداد رحمتوں سے نوازتا ہے۔ ہر نعمت کا دگنا اجر ملتا ہے۔''

''بالکل درست کہا! تم بھی کچھ سیکھو نیہال! بڑے بھائی سے تم نا کھیل کود سے بعض آنا۔ یہ برکتوں کا مہینہ ہے۔ پندرہ روزے ہو گئے مگر ایک قرآن بھی تم نے مکمل نہیں کیا۔ اسکول سے آنے کے بعد دوپہر کو آوارہ گردی کے لیے نکل جاتے ہو اور افطار سے ذرا پہلے لوٹتے ہو۔ سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں رمضان سے فیض اٹھاؤ!'' ابو جی نے نیہال کی اچھی خاصی کلاس لے لی تھی۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے سنتا رہا۔

❀......❀......❀

رمضان اپنے تمام رحمتیں نچھاور کرتا گزر رہا تھا۔ آج انتیسواں روزہ تھا، اب معلوم نہیں تھا کہ کل عید ہونی تھی یا نہیں مگر ہر طرف افراتفری مچی تھی۔

ابو جی نے تو دونوں بچوں کی شاپنگ رمضان سے پہلی ہی کر لی تھی اس لیے وہ بے فکر تھے۔ مگر سمی اور نیہال چاندرات کی رونق دیکھنے جاتے ضرور تھے۔

چلو روزہ کھلتے ہی معلوم ہو جائے گا کہ کل عید ہے یا نہیں تو بچوں کو لے جاؤں گا۔

''ریحانہ بیگم! یہ نیہال اور سمی کہاں ہیں؟ نظر نہیں آرہے؟'' ابوجان نے لاؤنج میں آتے پوچھا۔

سمی تو عصر کی نماز پڑھنے گیا ہے اور نیہال، شارق کے پاس گیا ہے۔

''ایک تو یہ لڑکا کبھی سدھر نہیں سکتا۔'' اسی لمحے دروازے پر بیل ہوئی تو ابو جی غصے میں دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ مگر جب لوٹے تو ان کا غصہ

آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے، کون تھا؟''

''شارق آیا تھا افطاری دینے۔ میں نے نیہال کا پوچھا تو کہنے لگا کہ اُسے نہیں معلوم اسکول کے بعد تو وہ ملتا بھی نہیں ہے۔

''یا اللہ! تو کہاں جاتا ہے۔ مجھ سے تو یہ ہی کہہ کر جاتا تھا کہ شارق کے پاس جا رہا ہوں'' امی جی کو پریشانی نے آن گھیرا۔

''دیکھتا ہوں کہاں ہے یہ لڑکا؟ جھوٹ بول کر نا جانے کہاں جاتا ہے۔'' ابو جی غصے کے عالم میں گھر سے نکلے تھے۔

❁......❁......❁

وہ جب گھر میں داخل ہوا تو ابو جی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھے تھے۔

آج تو ابو نے افطاری پر دیر سے آنے پر کچھ نہیں کہا تھا۔ مسجد جاتے ہوئے بھی وہ خاموش تھے۔ نیہال سوچ ہی رہا تھا کیا بات ہے جب ابو نے بولنا شروع کیا۔

''اس رمضان جو تم نے نیکی کا کام کیا ہے۔ اس کے لیے شاباش!'' ابو جی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چونک گیا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے ہمیں معلوم نہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کے بارے میں سب جانتے ہیں۔''

''مگر آپ کو کیسے؟''

''شارق آیا تھا آج افطاری لے کے، تو پھر تمہارے ابو جی نکلے تھے تمہاری تلاش میں۔'' امی جی نے اندر آتے ہوئے بتایا۔

''راستے میں غفار بھائی مل گئے انہوں نے بتایا کہ تم کہاں ملو گے۔ مگر تمہیں جھوٹ نہیں بولنا چاہئے تھا نیہال!''

''سوری امی جی! مگر ابو جان، ہی تو کہتے ہیں نیکی کرو تو کسی کو علم نہ ہو۔ بس میں تو نیکی کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دن پہلے دیکھا بخشو چاچا بڑی مشکل سے سڑک پر اپنا پکوڑوں کا ٹھیلا گھسیٹ رہے تھے ان کے ہاتھ پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بامشکل پکوڑے بناتے اور بیچ رہے تھے، ایک ہاتھ سے کام کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ بس ان کے مدد کے لیے روز چلا جاتا تھا۔'' نیہال نے سر جھکائے کہا۔

''ہمیں خوشی ہے تم نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے اُس کے بندوں کے مدد کی مگر ماں باپ سے کبھی کچھ نہیں چھپانا چاہئے'' ابو جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جی! ابو جی! آئیندہ خیال رکھوں گا۔''

''چاند نظر آ گیا'' سمی اندر چلاتے ہوئے آیا تو سب مسکرا دیے۔

''چاند رات مبارک بچو!'' ابو جی نے دونوں بچوں کو محبت سے گلے لگا یا۔

تمہارے اس خوبصورت عمل کے لیے ہماری

بہت سی دعائیں۔

ایمن صغیر

آئیے جنت خریدیں

عبد اللہ اور حسن کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ گہرے دوست بھی تھے۔اکٹھے سکول جاتے اور اکٹھے ہی واپس گھر آتے۔دونوں کا تعلق خوشحال گھرانوں سے تھا۔گھر میں پیسے کی ریل پیل ہونے کی وجہ سے خرچ میں کوئی روک ٹوک نہ تھی ۔سو وہ بھی اپنے دوسرے دوستوں کی طرح ہر موقع پر خوب خرچ کر کے سب دوستوں سے آگے بڑھنے کی پوری کوشش کرتے۔عید کا موقع ہو یا خاندان میں کوئی شادی، اُن کے کپڑے، جوتے اور دوسری چیزیں سب سے اعلیٰ ہوتیں۔

پھر ایک دن سکول میں تفریح کی گھنٹی بجی باقی سب بچوں کی طرح وہ دونوں دوست بھی کینٹین کی طرف بڑھے، ہاتھوں میں چاکلیٹ اور چپس کے پیکٹ لئے گراونڈ میں سرسبز گھاس پر آبیٹھے۔

چیزیں کھانے کے ساتھ ساتھ دونوں خوش گپیوں میں مصروف تھے، اتنے میں ان کا نیا کلاس فیلو عمر بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔عمر کو سکول میں آئے دو ماہ ہوئے تھے۔وہ انہیں روز کی طرح مجاہدین کے دلچسپ کارنامے سنانے لگا۔

عمر ایک ہونہار طالب علم تھا۔ساتھ ہی اس پر دینداری کا رنگ نمایاں تھا۔جس کی وجہ سے تمام اساتذہ اسے پسند کرتے ۔ دراصل عمر کے ابو مجاہدین کے زبردست حامی تھے۔وہ اسے جہاد اور مجاہدین کے متعلق معلومات دیتے رہتے۔عمر وہ باتیں اپنے ساتھیوں کو بھی بتاتا۔

ایک دن حسن نے عمر سے پوچھا:

”عمر بھائی ! آپ چیز کھانے کے لئے گھر سے پیسے کیوں نہیں لے کر آتے ؟ کیا آپ کو گھر سے جیب خرچ نہیں ملتا ؟“

”میں پیسے جمع کرتا ہوں“ عمر نے جواب دیا۔

”آپ کا پیسے جمع کر کے کیا انوکھی چیز خریدنے کا ارادہ ہے؟“ عبداللہ نے حیرت سے پوچھا۔

”میں ان پیسوں سے جنت خریدوں گا... ان شاء اللہ“

عمر نے کہا تو دونوں مزید حیران ہوئے۔

”جناب! پیسوں سے جنت خریدنی ہے؟“

”جی ہاں! میں جہاد فنڈ کے لئے پیسے جمع کر رہا ہوں۔ابا جان نے مجھے بتایا ہے کہ مجاہدین اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں۔میں اپنے جیب خرچ سے ان کے لئے پیسے جمع کروں گا۔انہیں وہ کفار سے جہاد میں استعمال کریں گے،تو میں بھی ان کے اجر میں شریک ہو جاؤں گا،اس طرح میں ان پیسوں سے جنت خریدلوں گا۔“

عمر نے قدرے تفصیل سے بتایا۔

"واہ! عمر بھائی! آپ کے ابو نے کتنی اچھی ترکیب بتائی ہے جنت خریدنے کی۔ آج سے ہم بھی مجاہدین کے لئے پیسے جمع کریں گے اور ان کے اجر میں شریک ہو کر جنت خریدیں گے"

دونوں دوستوں نے عزم کا اظہار کیا

"پیارے بچو! یقیناً آپ بھی جنت کے خریدار بننا چاہتے ہیں۔ تو آئیے آج سے آپ بھی عزم کریں، اپنے جیب خرچ میں سے کچھ پیسے جہاد فنڈ کے لئے جمع کرنا شروع کر دیں۔

عائشہ فاروق

بیٹا موبائل تو ٹھیک ہے؟

کسی زمانے میں روزانہ رات کو باقاعدگی سے ابو کی ٹانگیں دباتا اور سر کی مالش کرتا تھا پھر لیپ ٹاپ اور انڈرائیڈ موبائل آیا اور اس فریضے کو گویا بھول ہی گیا۔

پچھلے دنوں اباجی ایک لمبے سفر سے لوٹے تو تھکن کی وجہ سے چال میں کچھ لنگراہٹ سی محسوس ہوئی۔ نہ جانے کیوں دل میں خیال آیا اور ابا کی ٹانگیں دبانے بیٹھ گیا ابا نے بس ایک سوال پوچھا

بیٹا موبائل تو ٹھیک ہے نا

یہ چند لفظوں کا ایک سوال نہیں ہزاروں لفظوں پے بھاری ایک نوحہ ہے

والدین بڑے حساس ہوتے ہیں انہیں سب نظر آتا ہے لیکن وہ اکثر کچھ نہیں کہتے

سوشل میڈیا میں غرق بچوں

اپنے والدین کو وقت دو

ان کے چہرے پڑھو

ان کے کہنے کا انتظار نہ کرو

ایسا نہ ہو کہ وقت گزر جائے اور پچھتانا پڑے

والدین دنیا کی سب سے عظیم نعمت ہیں ان کی قدر کریں۔

حواء بنت زبیر

آرٹ گیلری

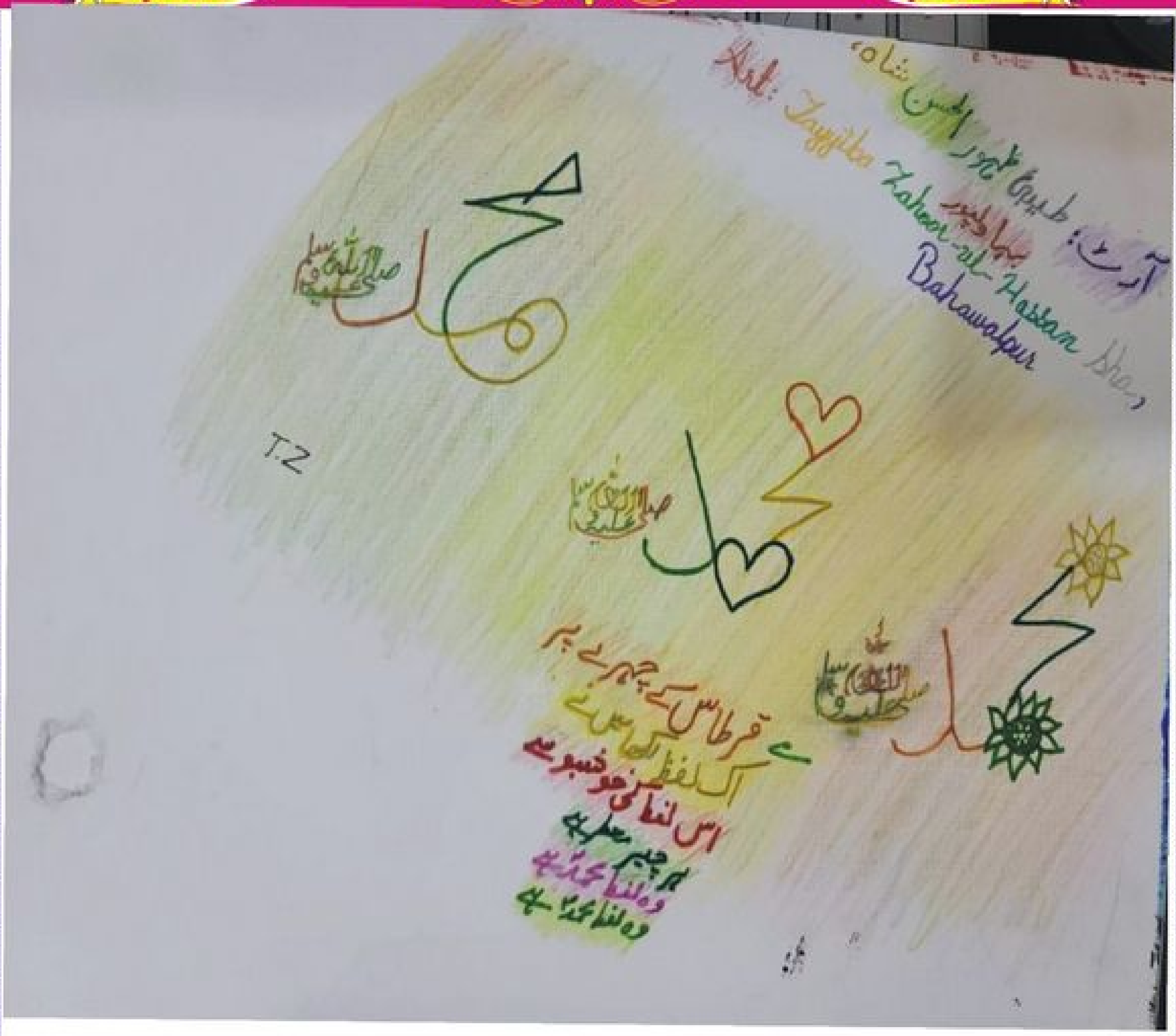







ماشاءاللہ
سحر بنت ظہور احمد


سبحان اللہ العظیم
سبحان اللہ وبحمدہ


Art: Zayyiba Zaheer-ul-Hassan Shah
Bahawalpur
آرٹ: طیبہ ظہیر الحسن شاہ
بہاولپور
T.Z


الجہاد
اللہ اکبر

چھوٹا سا دیا

اس شہر بے وفا میں وفا ڈھونڈ رہی ہوں
اخلاص و محبت کی رِدا ڈھونڈ رہی ہوں
بھوکوں کے لیے روٹی کے دو چار نوالے
بچوں کے لیے دودھ و دوا ڈھونڈ رہی ہوں
غربت کے اندھیرے کو مٹانے کی غرض سے
جلتا ہوا چھوٹا سا دیا ڈھونڈ رہی ہوں
صحرا میں ہے اشجار نہ دیوار کا سایہ
سورج کو چھپالے وہ گھٹا ڈھونڈ رہی ہوں
مردوں کے لیے غیرت و ایثار و شجاعت
عورت کے لئے شرم و حیاء ڈھونڈ رہی ہوں
جس شہر میں قاتل کا نشاں تک نہیں ملتا
اس شہر میں قانون و سزا ڈھونڈ رہی ہوں
رستے ہوئے زخموں کی دوا ڈھونڈ رہی ہوں
میں غیر کی بستی میں یہ کیا ڈھونڈ رہی ہوں

انتخاب: ہمشیرہ بابر آفریدی شہیدؒ